اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

مقاصد الاسلام

حصہ پنجم

تصوف کی اصل، فقر وزھد صحابہؓ، اثبات خلافت ثلاثہ، ابن سبا کی فتنہ انگیزی

تالیفؒ

حضرۃ العلامہ شیخ الاسلام عارف باللہ مولانا الحافظ خان بہادر محمد انوار اللہ فاروقی

فضیلت جنگ قدس اللہ سرہٗ العزیز، بانی جامعہ نظامیہؒ

مطبوعات مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد ۵۰۰۰۲۶۴ (اے پی) الہند

ان الدین عند اللہ الاسلام

مقاصد الاسلام

حصہ پنجم

از افادات حضرت حقایق آگاہ معرفت دستگاہ عارف باللہ شیخ الاسلام مولانا
حاجی حافظ شاہ محمدؐ انوار اللہ صاحب قبلہ صابری چشتی قادری

مجلس اشاعت اسلام جامعہ نظامیہ
حیدر آباد ۵۰۰۲۶۴ الہند

(بار سوم)

۱۴۱۵ھ = ۱۹۹۵ء

کمپیوٹر کتابت و طباعت : اسپیڈ پرنٹس، سعید آباد، حیدر آباد
فون نمبر4063538

فہرست کتاب مقاصد الاسلام حصہ پنجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین :: و الصلاۃ و السلام علی رسولہ سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

امابعد! مقاصد الاسلام کے حصہ سوم میں شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کا خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ فلسفہ اور تصوف کے ڈانڈے ایک جگہ ملتے ہیں، شاید بعض متصوفین کے لحاظ سے انھوں نے فرمایا ہوگا جن کے نزدیک عبادت الٰہی کی ضرورت نہیں، ورنہ کجا فلسفہ اور کجا تصوف؟ دونوں میں کسی قسم کا تعلق نہیں، کیونکہ تصوف اس علم کا نام ہے جس میں صرف وہ امور مذکور ہوتے ہیں جو تقرب الی اللہ کے باعث ہوں، اور لوازم تصوف ایسے سخت واقع ہوئے ہیں کہ اہل فلسفہ ان کو سن لیں تو گھبرا جائیں۔

اوائل میں جو اہل تصوف تھے وہ زینت اور زرق و برق کو ترک کر کے صرف صوف یعنے کمبل پر قناعت کرتے تھے، اس لئے ان کا نام ہی صوفی ہو گیا۔

تصوف اور صوفی

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آدمیوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، بعض غیور طبع ایسے بھی ہیں کہ بھوکے رہیں گے مگر ذلت کی نوکری اور ذلیل پیشہ نہ کرینگے،

ہمیشہ ان کی ہمت اسی میں مصروف رہتی ہے کہ سلاطین کا تقرب حاصل کریں اور ان ہی کی خدمت میں رہیں ، اس کے واسطے ان کو بڑی بڑی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں ، اور ان افعال سے محترز رہتے ہیں جو سلاطین کی نظروں میں ان کو خوار و ذلیل کریں آخر شدہ شدہ بحسب نیکنامی وسعی اور علو ہمت فائز المرام ہو کر دنیاوی وجاہت حاصل کرلیتے ہیں ۔

اسی طرح اسلامی دنیا میں بھی بعض غیور طبع عالی ہمت اپنی ہم جنس مخلوق کی خدمت کو عار ، اور اپنے خالق کی عبادت کو باعث افتخار سمجھتے ہیں ، ہمیشہ وہ تقرب الٰہی کے ذرائع تلاش کرتے رہتے ہیں اور ان اخلاق و افعال اور اوصاف و عادات کو جو خالق عزوجل کے خلاف مرضی ہیں ترک کرکے ان فضائل کو حاصل کرنے میں ساعی رہتے ہیں جن میں خالق عزوجل کی رضامندی متصور ہے ۔غرضکہ ہر وقت ان کا دلی تعلق ان ہی امور کے طرف لگا رہتا ہے اس لئے وہ اپنی نفسانی خواہشوں کو پوری نہیں کرسکتے بلکہ فقط ضروریات پر اکتفا کرلیتے ہیں ، مثلاً کھانا جس قسم کا اور جب مل گیا کھالیا اور کپڑا جس قسم کا مل گیا پہن لیا خصوصاً کمبل چونکہ ارزاں اور دیرپا ہوتا ہے اس کو بہت شوق سے وہ پہنتے ہیں ، تاکہ بار بار دھونے اور بدلنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر وہ پھٹ جائے تو کپڑا یا چمڑا جو مل گیا اس کا پیوند لگالیتے ہیں جس سے سالہا سال ایک ہی کمبل میں ان کی گزر ہوجاتی ہے اس قسم کے لوگ ابتدائے زمانہ میں " صوفی " یعنے کمبل والے کہلاتے تھے ، یہ نام صرف شناخت کے لئے لوگوں نے ٹھہرالیا تھا جو شدہ شدہ ان کا لقب ہی ہوگیا ، اور اسی سے لفظ " تصوف " ماخوذ ہے ۔مگر اصل تصوف وہ ہے جس نے ان کو اس حالت ظاہری پر مجبور کیا تھا اور صوفی وہی ہوگا جس کو وہ حالت نصیب ہو ۔

صوفی کے اصطلاحی معنی :

حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من عاش فی ظاھر الرسول فھو سنی ، ومن عاش فی باطن الرسول فھو صوفی (رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ) ۔یعنے : "جو ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زندگی گزارے وسنی ہے ، اور جو باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگی بسر کرے وہ صوفی ہے " ۔

اہل بصیرت پر ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن حق تعالی کی صفات کمالیہ کا آئینہ بنا ہوا تھا، کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا تھا جو یاد الٰہی سے خالی ہو حق تعالے فرماتا ہے واذکر ربک اذا نسیت یعنے " اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ " اس آیت کا اصلی مقتضیٰ یہی ہے کہ ادھر نسیان آیا ادھر یاد الٰہی شروع ہوگئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ نسیان بالکل ممتد نہ ہونے پائے ، پھر کیونکر ہوسکتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی لحظہ ایسا گزرے کہ یاد الٰہی سے آپؐ غافل ہوں !! اب کہیئے کہ جب ہر وقت یاد الٰہی اور اس کی صفات جمالیہ و جلالیہ کا تصور لگا رہے تو کیا ممکن ہے کہ آدمی سے کوئی دوسرا کام ہوسکے ؟! اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ جو کام آپؐ کرتے تھے اس میں سوائے خدائے تعالیٰ کی یاد اور مشاہدہ اور رضاجوئی کے اور کچھ مقصود نہیں ہوا کرتا تھا، کسی کام میں دنیا سے آپ کو کوئی تعلق نہ تھا، جس کی تصریح خود آنحضرتؐ نے بھی بارہا فرمادی ہے ۔جب سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے یہ ثابت ہے کہ صوفی کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا تابع ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام کے باطنی حالات علیٰ قدر مراتب وہی

ہونگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔

ضرورت عبادت الٰہی و معرفت:

غرضکہ ہمیشہ یاد الٰہی میں رہنا صوفیہ کا فرض منصبی ہے اور اس سے ان پر یہ منکشف ہوجاتا ہے کہ حق تعالیٰ کو ایجاد عالم سے مقصود بالذات اپنی معرفت تھی اسی وجہ سے کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتی ہو، جیسا کہ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے **و ان من شیء الا یسبح بحمدہ** یعنے "ہر چیز خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے"۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حق تعالیٰ کو تمام عیوب سے منزہ اور قابل حمد تسلیم کرکے تسبیح و تحمید کرتی ہے، یہی معرفت ہے۔ مگر معرفت کی اقسام اور مدارج متفاوت ہیں، ہر ایک چیز میں خاص خاص قسم کی معرفت کی صلاحیت رکھی گئی، اور جن وانس میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت ہے کیونکہ ان میں وہ صفات ودیعت رکھی گئی ہیں جو دوسروں میں نہیں۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس میں جو صفت کمال ہوگی اسی صفت کو خدائے تعالیٰ کے لئے تسلیم کرسکتا ہے، دیکھئے مادر زاد نابینا خدائے تعالیٰ کو بصیر کبھی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ اس کو خبر ہی نہیں کہ بصارت کیا چیز ہے۔

غرضکہ معرفت الٰہی ان صفات کی وجہ سے انسان کو حاصل ہوسکتی ہے اور دوسرں کو نہیں ہوسکتی، یہی وجہ اس کی فضیلت کی ہے جس سے تمام اشیاء اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ **و خلق لکم ما فی الارض جمیعاً** اور تمام عالم اس کے لئے مسخر کیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ **و سخرلکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعاً منہ** چنانچہ اس کا حال مقاصد الاسلام کے

حصۂ اول میں لکھا گیا ہے۔ پھر اس کو عقل ایک ایسی چیز دی گئی ہے کہ اپنا نفع و ضرر جو سردست ہو یا آیندہ ہونے والا ہو اس کے ذریعہ سے بخوبی معلوم کرسکتا ہے۔ یہاں سے جزاء و سزا کی تمہید ہوئی۔ پھر اُس کو نفس دیا گیا جس میں کئی قسم کی خواہشیں رکھی گئیں جن کے حاصل کرنے سے اسے نہایت لذت ملتی ہے۔ یہاں سے ابتلاء کی بنیاد پڑی کہ دیکھیں ان لذائذ میں عقل کو بیکار کردیتا ہے یا اس کو کام میں لاتا ہے۔

مقتضا عقل کا:

عقل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ آدمی یہ سمجھتا کہ میں خود بخود نہیں پیدا ہوا بلکہ لازمی ہے کہ کسی ایسے قادر نے مجھے پیدا کیا ہے جو جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے، اور ان احسانات کے بدلے جو اس کو علاوہ نعمت وجود کے بے انتہا نعمتیں حاصل ہوئیں اور ہوتی جاتی ہیں شکر الٰہی بجالاتا، مگر بجائے اس کے کہ عقل کی نازک خیالیوں سے بقدر طاقتِ بشری اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا تلذذات نفسانیہ کے حاصل کرنے میں اس کو مشغول کردیا۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا تاکہ معرفت اور عبادت کی طرف ان کو مائل کریں، انھوں نے خدا کا پیام پہنچادیا کہ دیکھو تمھارے پیدا کرنے سے مقصود الٰہی یہ ہے کہ اس کو پہچان کر اس کی عبادت کیا کرو کماقال اللہ تعالیٰ **و ماخلقت الجن و الانس الا لیعبدون** اور یہ لذائذ اور عمدہ عمدہ چیزیں جو اس عالم میں پیدا کی ہیں جن سے تم لذتیں حاصل کرتے ہو اُس عالم کا نمونہ ہے جہاں تمھیں مرنے کے بعد جانا ہے، اگر یہاں صرف ضروریات پر اکتفا کرکے عبادت الٰہی کروگے تو تمھیں وہاں جنت ملے گی

ورنہ دوزخ۔

حالاتِ جنت :

جنت کے حالات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے تھوڑے مختصر طور پر کنزالعمال اور ترغیب و ترہیب منذری اور مشکاۃ شریف سے لکھے جاتے ہیں ، یہ حدیث کی کتابیں چونکہ چھپ چکی ہیں اس لئے ہر حدیث کی تخریج نہیں لکھی گئی :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ : جنت کے سو درجے ہیں ، ہر ایک درجہ اتنا وسیع ہے کہ تمام عوالم اس میں جمع ہوں تو سب کی گنجایش اس میں ہوجائے ، جن چیزوں کی نفس کو خواہش ہو اور آنکھوں کو لذت وہ سب اس میں مہیا ہیں ، اور علاوہ ان کے وہ اشیاء اس میں موجود ہیں جن کو نہ کسی کے کانوں نے سنا ، نہ آنکھوں نے دیکھا اور نہ کسی کے خیال میں تک ان کا گزر ہوا۔

وہاں کا وقت ہمیشہ صبح کا سا نورانی اور ٹھنڈا رہے گا ، وہاں کبھی رات نہ ہوگی ۔ جنت میں چار سمندر ہیں : ایک پانی کا ، دوسرا شراب کا ، تیسرا دودھ کا ، چوتھا شہد کا ۔ ان سے نہریں نکل کر تمام مکانات میں تقسیم ہوتی ہیں ، یہ نہریں کھدی ہوئی نہیں بلکہ سطح زمین پر بہتی ہیں ، ان کا کیچڑ مشک خالص ہے ، اور بجائے سبزی زعفران اور کنکروں کی جگہ موتی پڑے ہوئے ہیں ، ان کے کناروں پر موتی کے خیمے لگے ہیں ۔

وہاں کے درختوں کا یہ حال ہے کہ بعضوں کے پیڑ سونے کے ہیں اور بعض کے موتی کے ، اور شاخیں زمرد اور موتی کی ہیں ، جب ان پر ہوا بہتی ہے تو ان سے وہ

دلکش نغمات سنے جاتے ہیں جن کی نظیر نہیں ۔

وہاں کے میووں کا کوئی موسم مقرر نہیں ، ہر قسم کے میوہ جات ہر وقت لگے رہتے ہیں ، جس پھل پر رغبت ہوئی وہ فوراً ٹوٹ کر پاس آگیا اور اس کی جگہ دوسرا پیدا ہوگیا ۔ اسی طرح جس پرندے پر نظر پڑ گئی اور اس کے شکار کی خواہش ہوئی اس کا گوشت بھنا بھنایا پیش ہوگیا ۔

ایک درخت کو حکم ہوگا کہ جو بندے ہمارے ذکر میں مشغول تھے اور مزامیر و معازف کے سننے سے احتراز کرتے تھے ان کو اپنی خوش آوازی سے مسرور کر ، وہ اس خوش الحانی سے حق تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرے گا کہ آج تک کسی کے کانوں نے نہیں سنا تھا ۔

وہاں کے مکانات کا یہ حال ہے کہ ہر محل میں نہایت سرخ یاقوت کے ستر گھر ہیں ، اور ہر گھر میں ستر حجرے نہایت سبز زمرد کے ، اور ہر حجرے میں ستر تخت جن پر اقسام اقسام کے فرش بچھے ہیں ۔ سوائے اس کے ہر باغ میں ایک خیمہ موتی کا ہوگا جس کا طول ساٹھ میل کا ہے ۔

جو لوگ جنت میں جائیں گے ان کی عمر تیس بتیس سال کی ہوگی ، یعنے عین شباب اور کمالِ قوت کا زمانہ ، اور یہی حالت ان کی ہمیشہ قایم رہے گی اور وہ امرد ہونگے ، ہر ایک کو حسن یوسفی عطا ہوگا اور ہمیشہ حسن میں ترقی ہوتی رہے گی ۔

جنت میں ایک بازار ہے کہ ہر جمعہ کو یعنے سات دن کی مقدار میں ایک بار لوگ اس میں جائیں گے ، اس وقت ایک ہوا چلے گی جس کی تاثیر یہ ہے کہ حسن کو دوبالا کر دیتی ہے ، جب وہ گھر آئیں گے تو گھر والے تعجب سے کہیں گے کہ کیا بات ہے کہ تمہارا حسن دوبالا ہوگیا ؟ وہ کہیں گے کہ ہم بھی یہی دیکھتے ہیں کہ تمہارا حسن

بھی دوبالا ہوگیا ہے۔ اور ایک بازار ہے جس میں فقط تصویریں ہونگی، جو صورت کسی کو پسند آجائے اس کی وہی صورت ہوجائے گی، غرضکہ حسن میں روزافزوں ترقی رہے گی۔

ان کا لباس نہایت فاخرہ ہوگا، چنانچہ تاج کا ادنیٰ موتی ایسا روشن ہوگا کہ اگر وہ دنیا میں ظاہر ہوجائے تو مشرق سے مغرب تک منور کردے۔

مثل سلاطین کے زیور سے بھی وہ نہایت آراستہ و پیراستہ ہونگے، ان کا ایک دست بند اگر دنیا میں ظاہر ہوجائے تو آفتاب کی روشنی اس کے مقابلے میں ایسی ماند ہوجائے جیسے تارونکی روشنی آفتاب کے مقابلے میں۔

ہزارہا عورتیں ایک ایک جنتی کے نکاح میں ہونگی، جن میں علی حسب مراتب سو (۱۰۰) تک حوریں ہونگی، حوروں اور عورتوں کا حسن خداداد اور نزاکت اور صفائی رنگ اور ان کے لباس اور زیور کی عمدگی بیان سے خارج ہے، ادنیٰ صفت ان کی یہ ہے کہ ہمیشہ باکرہ رہیں گی، ان میں دو حوریں نہایت خوش آواز ہونگی جن کا سا حسن صوت اور نغمہ سرائی نہ کسی آدمی نے سنی ہے نہ جن نے۔

ہر جنتی کو سو آدمیوں کی قوت اکل و شرب و جماع کی دی جائے گی، کتنا ہی کھائے پیے ایک ڈکار اور تھوڑا سا پسینہ آتے ہی پھر اشتہاء کامل ہوجائے گی۔ اور وقت واحد میں سو باکرہ کا بکر زائل کرسکے گا۔ ادنیٰ جنتی کی نظر کا یہ حال ہوگا کہ اس کے کل باغ اور بیویاں اور خدام وغیرہ پیش نظر رہیں گے۔ اور اعلیٰ درجے والے ہر صبح و شام "وجہ الٰہی" کا نظارہ کرتے رہیں گے۔

ادنیٰ جنتی کے خدام ستر ہزار (۷۰۰۰۰) ہونگے جن میں سے ہزار ایسے ہونگے کہ ہر ایک، ایک ایک کام پر معین ہوگا، اور دس ہزار (۱۰۰۰۰) خادم کھانے کے اہتمام

پر مقرر ہونگے، ہر ایک کے ہاتھ میں دو رکابیاں ہونگی، اور ہر رکابی میں نئے نئے قسم کا کھانا جس میں ہر ایک کا ذائقہ دوسرے کے ذائقہ سے جدا ہوگا، یعنے ہر وقت بیس ہزار (۲۰۰۰۰) قسم کے مختلف کھانے مہیا ہوں گے، اور مزہ یہ کہ کھانے والے کے ذائقہ میں اول سے آخر تک فرق نہ آئے گا۔ بخلاف دنیا کے کہ سیری ہوتے ہی کیسا ہی لذیذ کھانا پیش کیا جائے خوش ذائقہ نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایک طرح کی نفرت ہوتی ہے، وہاں ایسا نہ ہوگا۔

پھر تین سو (۳۰۰) قسم کے شربت پیش کئے جائیں گے جن کے ذائقے مختلف ہوں گے، اور التذاذ میں پہلا پیالہ اور آخری پیالہ برابر ہوگا، یعنے آخر تک بے رغبتی نہ ہوگی۔

اہل جنت جب جنت میں داخل ہوکر اپنے اپنے مکانات میں مقیم ہوجائیں گے تو تخمیناً آٹھ دن کے بعد بارگاہ الٰہی میں سب کی یاد ہوگی۔ دربار میں سونے چاندی موتی یاقوت زمرد اور نور وغیرہ کہ منبر اور کرسیاں رکھی جائیں گی اور بحسب مراتب لوگ اس پر بیٹھیں گے، اور حق تعالیٰ کا دیدار اور ہم کلامی ہوگی۔ کسی شخص کا نام لے کر حق تعالیٰ فرمائے گا کہ کچھ یاد ہے دنیا میں تم نے فلاں وقت کیا کہا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ الٰہی کیا میری مغفرت نہیں ہوئی؟ ارشاد ہوگا کیوں نہیں مغفرت ہی کی وجہ سے تو یہاں تک رسائی ہوئی۔ اسی گفت وشنود میں ہوں گے کہ ایک ابر نمودار ہوگا جس سے عطر اس خوشبو کا برسے گا کہ کسی نے کبھی نہ سونگھا ہو۔ اس کے بعد ارشاد ہوگا کہ اب برخاست کرد، اور جو جو اعزاز و اکرام اور نعمتیں ہم نے تمہارے لئے مہیا کی ہیں جتنی چاہو لے لو۔

وہاں سے نکل کر سب بازار کی طرف جائیں گے، جہاں فرشتوں کا ھجوم ہوگا

اس میں اقسام کی نعمتیں ہوں گی جن کا مثل نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا۔ وہاں بیع شراء نہ ہوگی بلکہ عام اجازت ہوگی کہ جس کا جو جی چاہے لے لے۔ اس مقام میں تمام جنتی ادنیٰ اعلیٰ ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ اگر کسی کا لباس اچھا معلوم ہوا تو فوراً اپنا لباس بھی اسی قسم کا ہوگیا تا کہ ملال نہ آنے پائے کیونکہ جنت میں غم و حزن کا نام بھی نہیں۔ جب وہاں سے وہ اپنے گھر آئیں گے تو بیویاں پوچھیں گی کہ کیا وجہ ہے کہ تمہارا حسن بہ نسبت سابق کے بہت بڑھ گیا ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں آج حق تعالیٰ کی مجالست نصیب ہوئی ہے اس کا اثر یہی ہونا چاہئے۔ پھر ہر جمعہ کی مقدار میں عموماً دیدار الٰہی ہوا کرے گا۔

ایک بار حق تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہوئے؟ وہ عرض کریں گے الٰہی ایسی ایسی نعمتیں تو نے ہمیں عطاء کیں جو کسی کو نصیب نہیں کیا اب بھی راضی نہ ہوں گے؟ ارشاد ہوگا کہ ان سب سے بہتر ایک اور نعمت ہم تمہیں دیتے ہیں، عرض کریں گے الٰہی ان سے بہتر کونسی نعمت ہوگی؟ ارشاد ہوگا کہ ہم تم سے راضی ہوئے اور کبھی تم پر غصہ نہ کریں گے، اس سے بے انتہا اہل جنت کو خوشی ہوگی۔

جنتی جب اپنے احباب کی ملاقات کے مشتاق ہوں گے تو کبھی تخت ان کو لے اڑیں گے، اور اگر چاہیں تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہوں گے جو ان کو فوراً پہونچا دیں گے، پھر ملاقات میں دنیا کے واقعات اور اپنی اپنی سرگذشتیں بیان کریں گے۔

جنت میں آدمی ہر قسم کی خواہش پوری کر سکتا ہے، اگر کسی کو اولاد کی خواہش ہو تو ایک ہی ساعت میں حمل اور زچگی ہو کر لڑکا سن رشد کو پہونچ جائے گا،

کسی کا خیال زراعت کا ہو تو بیج بوتے ہی پودے نکل آئینگے اور غلہ ان میں پیدا ہو جائے گا اور خشک ہو کر قابل درو بن جائے گا اور پہاڑوں کے برابر ڈھیر لگ جائیں گے۔

غرضکہ جس چیز میں تلذذ اور نفس کی خواہش ہو وہ سب وہاں مہیا ہیں، حق تعالیٰ فرماتا ہے **وفیہا ما تشتھیہ الانفس و تلذ الاعین و انتم فیہا خالدون** - اور پاخانہ پیشاب اور تھکن، بیزارگی، نیند وغیرہ چیزیں جو عیش میں خلل انداز ہوتی ہیں جنت میں نہ ہونگی۔

حال دوزخ:

یہ جنت کا حال تھا، اب دوزخ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جو قرآن شریف اور احادیث میں وارد ہے، یہ روایتیں بھی کتب مذکورہ ہی سے لکھی جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آتش دوزخ کی حرارت اس شدت کی ہے کہ دنیا کی آگ کی حرارت سے انہتر (۶۹) حصہ زیادہ ہے، یا یوں سمجھو کہ حرارت کے ستر حصے کئے گئے، ایک حصہ دنیا کی آگ کو ملا اور باقی وہاں کی آگ کو۔ اگر سوئی کے ناکہ کے برابر دوزخ سے سوراخ ہو جائے جس سے وہاں کی حرارت زمین پر آنے لگے تو اتنی ہی حرارت سے تمام زمین کے رہنے والے ہلاک ہو جائیں، اس کا رنگ نہایت سیاہ ہے جیسے شب دیجور۔

دوزخ اتنی گہری ہے کہ اگر اس کے کنارے پر سے ایک بڑا پتھر اس میں ڈالا جائے تو ستر برس (۷۰) گزر جانے پر بھی تہ تک نہ پہونچے گا۔

اس میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام "صعود" ہے اس پر چڑھنے کے لئے دوزخی

مجبور کئے جائیں گے، جب وہ اس پر ہاتھ یا پاؤں ٹیکیں گے تو وہ پگھل جائیں گے اور جب اٹھالیں گے تو پھر پیدا ہوجائیں گے ۔ اس میں پیپ اور لہو کے بڑے بڑے تالاب ہیں ۔ دوزخیوں کی بھوک اس بلا کی ہوگی کہ کوئی ایک عذاب اس کے برابر نہ ہوگا، جب بھوک سے فریاد کریں گے تو " ضریع " کھلائی جائے گی جو زہریلی کانٹے دار ایک بوٹی ہے، پھر فریاد کریں گے تو ایسی چیز کھلائی جائے گی جو حلق میں پھنسے، اس وقت ان کو خیال آئے گا کہ ایسی غذا دنیا میں پانی سے حلق کے اندر اتاری جاتی تھی تو پانی طلب کریں گے تب گرم پانی لوہے کی اکوڑیوں کے ذریعہ سے ان کو پلایا جائے گا اس کی گرمی اس شدت کی ہوگی کہ منہ کے قریب پہونچتے ہی سر اور منہ کی کھال گل کر گر پڑے گی، اور جب وہ پیٹ میں پہونچے گا تو آنتیں کٹ کٹ کر گریں گی ۔ اور کبھی " زقوم " پلایا جائے گا جس کی یہ کیفیت ہے کہ اگر دنیا میں اس کا ۔ ایک قطرہ ٹپک جائے تو تمام روئے زمین کے لوگوں پر زندگی تلخ ہوجائے، اور ۔ اگر سمندروں ہی میں ڈالا جائے تو تمام پانی خراب ہوجائے ۔ اور کبھی ایسا پانی پلایا جائے گا کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح نہایت گاڑھا اور نہایت گرم ہوگا جس کی بھاپ سے منہ کی کھال جھڑجائے گی ۔ کبھی " غساق " یعنے پیپ پلائی جائے گی جس کا ایک ڈول دنیا میں ڈالا جائے تو تمام دنیا میں بدبو پھیل جائے ۔

دنیا میں جو سب سے بڑی نعمت والا مالدار مرفہ الحال شخص تھا لایا جائے گا اور اس کو دوزخ میں ایک غوطہ دے کر حق تعالیٰ پوچھے گا کہ اے شخص کبھی خیر تونے دیکھی تھی یا کسی نعمت کا تجھ پر گزر ہوا تھا؟ عرض کرے گا کبھی نہیں یارب ۔ یعنے اس مصیبت کی حالت میں نعمت یاد تک نہ آئے گی ۔ کافروں کی زبان اتنی لمبی ہوجائے گی کہ لوگ اس پر چلیں گے ۔ " حمیم " یعنے گرم پانی دوزخیوں کے سر پر

ڈالا جائے گا تو وہ مسامات کے ذریعہ سے اندر نفوذ کر کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو پگھلا کر قدموں کے طرف سے نکال دے گا اور ساتھ ہی وہ چیزیں پھر پیدا ہوجائیں گی کیونکہ مقصود عذاب دینا ہے ۔

وہاں کے سانپ بڑے بڑے اونٹوں کے برابر ہیں، اور بچھو خچروں کے برابر، جب ڈسیں گے تو چالیس چالیس سال کی مدت تک ان کا زہر اور درد باقی رہے گا ۔ ان کے سوا کوئی ایذاء دینے والی چیز دنیا میں نہیں جو دوزخ میں نہ ہو ۔

جس زنجیر میں کفار جکڑے جائیں گے اس کا ایک ایک حلقہ ایسا ہے کہ اگر پہاڑ پر رکھا جائے تو اس کو اور زمینوں کو گلاتا اور پھاڑتا ہوا نکل جائے ۔

وہاں کے فرشتوں کی ایسی مہیب اور ڈراونی شکلیں ہیں کہ اگر ایک فرشتہ دنیا میں ظاہر ہوجائے تو لوگ اس کو دیکھ کر مارے ہیبت کے مرجائیں ۔ غرضکہ جیسے جنت میں ہر قسم کی لذتیں اور نفس کی خواہش کی چیزیں ہیں اسی طرح دوزخ میں ہر قسم کے عذاب و عقاب کی چیزیں مہیا ہیں ۔

جنت اور دوزخ کے متعلق ایک عقلی بحث

ہم نے جنت و دوزخ کے چند حالات جو قرآن و حدیث میں وارد ہیں بلاکم و کاست لکھدیے اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ اس قسم کے مضامین پر استہزاء اور تضحیک ہوا کرتی ہے، اس لئے کہ اگر تضحیک مانع ہو تو ہم سے کوئی اسلامی کام نہ ہوسکے گا، یہاں تک کہ نماز اور روزوں کا ادا کرنا بھی مشکل ہوجائے گا، کیونکہ اس پر بھی نئی روشنی کے حضرات مضحکے اڑاتے ہیں اور خدا و رسول کو یاد دلانے والے ان کی محفلوں میں قل اعوذیے اور ملائے وغیرہ القاب سے ملقب کئے جاتے ہیں ۔

ہمیں قرآن شریف بتلا رہا ہے کہ استہزاء کرنے والے اس زمانہ میں بھی موجود تھے جب کہ قرآن نازل ہو رہا تھا مگر خود خدائے تعالیٰ نے اس کی مکافات کا ذمہ لیا ہے، جیسا کہ ابتدائے قرآن ہی میں حق تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے **قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن اللّٰہ یستھزئ بھم و یمدھم فی طغیانھم یعمھون** اب ہم کو کسی کے استہزاء کی کیا پروا۔

البتہ یہاں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے جنت و دوزخ کے حالات جو اس قسم کے بیان کئے ان کا وجود ممکن ہے یا نہیں؟ اور جب ان کا امکان ثابت ہو جائے تو صرف یہ بحث باقی رہ جائے گی کہ خدائے تعالیٰ ان ممکن چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ پھر جب یہ دونوں امر طے ہو جائیں تو تضحیک کا منشا فقط یہ رہ جائے گا کہ ان چیزوں کو دیکھا نہیں جس سے استبعاد اور استعجاب پیدا ہوا

امر اول کی نسبت کوئی ذی علم یہ نہیں کہہ سکتا کہ جتنے امور قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی بات عقلاً محال ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عادت کے لحاظ سے عقل ان امور کو قبول نہیں کرتی، سو یہ بات دوسری ہے، ہمارا کلام ان امور کے بالذات محال ہونے میں ہے، اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کوئی ان کو محال ثابت کر دکھائے۔ پھر جب وہ سب ممکن ہیں تو خالق ممکنات کی قدرت کا ان سے متعلق ہونا کسی طرح محال نہیں ہو سکتا، اگر خالق عزوجل ممکن کو بھی پیدا نہ کر سکے تو وہ خالق ہی کیا ہوا۔ پھر جب خالقِ عالم نے اپنے کلام پاک میں اُس عالم کی اشیاء اور حالات کی خبر دی ہے تو جو لوگ اس کو خالق، اور قرآن کو اس کا کلام، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے رسول تسلیم کرتے

ہیں ان کو تو لامحالہ ان سب امور کی تصدیق کرنی پڑے گی، ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں جو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ رسول کو نہ قرآن کو، اور ان کا دعوائے اسلام کسی ایسی مصلحت پر مبنی ہے جس کو حقیقی اسلام اور ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔

امور اخرویہ پر ایمان عقلی طریقہ سے:

رہا یہ کہ ان امور کو نہ دیکھنے کی وجہ سے عقل قبول نہیں کرتی، تو یہ عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر ہماری ہی تخلیق کسی اور طور پر ہوتی اور اس وقت ہمارے حالاتِ موجودہ بیان کئے جاتے، مثلاً یہ کہا جاتا کہ: عالم میں ایک خلقت ایسی بھی ہے کہ ان کا قد طویل ہے اور ایسے عضو کے سہارے چلتے پھرتے ہیں جو ان کے قد کا ساتواں حصہ ہے، اور ان پر اقلاً تین سو بیانوے من کا وزن رہا کرتا ہے، جیسا کہ حکمت جدیدہ میں مصرح ہے، حالانکہ ان کی معمولی طاقت اتنی ہے کہ تخمیناً ایک من بوجھ اٹھا سکیں، ان میں ایک چمڑے کا تھیلا لگا ہوا ہے جس میں تین سوراخ ہیں ایک سوراخ سے غلہ وغیرہ اس میں بھر دیتے ہیں اور اس پر پانی ڈالتے ہیں، اس تھیلے کے اندر ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے جس کا کبھی کبھی دھواں بھی نکلتا ہے مگر ان کو اس کی گرمی محسوس نہیں ہوتی، وہاں غلہ وغیرہ پک کر اس کا خلاصہ جدا اور فضلہ جدا ہوتا ہے اور فضلہ ایک سوراخ سے اور پانی دوسری سوراخ سے نکل جاتا ہے، پھر اس خلاصہ سے چند گاڑھی چیزیں بنتی ہیں جن میں کسی کا رنگ سرخ کسی کا سپید کسی کا سیاہ کسی کا زرد و سبز ہے، ان گاڑھی چیزوں سے صدہا چیزیں ان کے جسم میں بنتی ہیں کوئی نہایت سخت مثل پتھر کے کوئی نرم مثل روئی کے

کوئی رقیق کوئی ٹھوس کوئی سرد کوئی گرم کوئی چیزان کو بے ہوش کرکے زمین پر
گرادیتی ہے کوئی چیز حرکت کرکے دیوانہ بنادیتی ہے کوئی ہنساتی ہے کوئی رلاتی ہے
انھیں سے سامعہ ، باصرہ ، ذائقہ ، شامہ ، لامسہ ، جاذبہ ، ہاضمہ ، دافعہ ، ماسکہ ، غاذیہ ،
مصورہ وغیرہ قوتیں پیدا ہوتی ہیں ، ان گاڑھی چیزوں میں سے ایک چیز ہے کہ جس
کو پچکاری کے ذریعہ سے جو انھیں کے جسم میں لگی ہوئی ہے دوسرے شخص کے تھیلے
میں پہونچاتے ہیں وہاں سے چند روز کے بعد وہی غلہ وغیرہ کا خلاصہ ہو بہو ان ہی کی
صورت و شکل پر بن کر باہر نکلتا ہے اور وہ لوگ اس کو بہت پیار کرتے ہیں اور
اپنی جان سے زیادہ اس کو دوست رکھتے ہیں اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ وہی غلہ
وغیرہ ہے جو اس صورت میں ظاہر ہوا ، ان کے اعضاء میں ایک عضو ایسا ہے کہ اس
سے چار نہریں نکلتی ہیں ایک کا پانی نہایت شریں ایک کا نہایت تلخ ایک کا پھیکا
ایک کا کھارا ، ان کے اعضاء کی یہ کیفیت ہے کہ کوئی ان کے اختیار سے متحرک و
ساکن ہوتا ہے اور کوئی خودبخود بلا اختیار متحرک و ساکن ہوتا ہے اور کسی کو مطلقاً
حرکت نہیں ہوتی ، ان میں ایک چیز ایسی ہے جس میں چار چیزیں جمع ہیں جو آپس
میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور باوجود قوت کے ایک دوسرے کو فنا نہیں کرتیں
اور سب بالاتفاق ایک ہی مقام میں رہتی ہیں جن کے مجموعہ اضداد پر ان کی زندگی
کا دارومدار ہے ۔

اس قسم کے عجائب جسم انسانی میں کثرت سے ہیں ، مگر چونکہ ان کے دیکھنے
کی عادت ہوگئی ہے اس لئے وہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی ، بخلاف اس کے
نہیں دیکھی ہوئی چیز ادنیٰ غرابت سے نادر اور قابل استعجاب معلوم ہوتی ہے ،
ممکن ہے کہ جس طرح خواب میں عجائبات دیکھے جاتے ہیں اور معمولی سے معلوم

ہوتے ہیں ، آخرت کے عجائبات بھی وہاں پہونچنے کے بعد معمولی معلوم ہونے لگیں ۔
بہرحال آخرت کے عجائب و غرائب بھی معمولی ہوجائیں گے اور جو استعجاب یہاں
رہتا ہے وہاں نہ رہے گا ۔

اگر آدمی آخرت کے عجائب و لذائذ اور مصائب پر ایمان لانا چاہے تو کوئی
مشکل بات نہیں ، حق تعالیٰ نے اُس عالَم کا ایک نمونہ بھی یہاں قائم فرمادیا ہے ،
چنانچہ ہر شخص جانتا ہے کہ خواب میں اُس عالم کی کل اشیاء برابر نظر آتی ہیں ، اور
بعض امور ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں کہ یہاں ان کا وجود نہیں ، مثلاً آدمی اپنے آپ
کو اڑتے دیکھتا ہے اور اس وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارا جسم ثقیل ہے
کیونکر اڑا ! حالانکہ ہمارا وجدان بلکہ مشاہدہ گواہی دیتا ہے کہ ہم اڑ رہے ہیں جدھر
چاہتے ہیں اڑ کر چلے جاتے ہیں اور اس کی تصدیق بیداری میں بھی کرتے ہیں ۔
چنانچہ خواب بیان کیا جاتا ہے کہ ہم اُڑے اور فلاں مقام تک پہونچے اور کبھی
خواب میں ایسی مصیبتوں کا سامنا ہوتا کہ آدمی چیخنے اور فریاد کرنے لگتا ہے جس کو
لوگ سن کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس عالم میں کسی سخت آفت میں وہ مبتلا ہوگیا ہے
اس لئے رحم کرکے اس کو جگادیتے ہیں اس کی حالت بیدار ہونے کے بعد بھی یہ
ہوتی ہے کہ چہرہ کا رنگ فق ہے دل اچھل رہا ہے زباں سے بات نہیں نکلتی پھر
تھوڑی دیر کے بعد جب خوف و ہراس کی حالت کم ہوتی ہے تو وہاں کی سرگذشت
بیان کرتا ہے ہرچند لوگ تسکین دیتے ہیں کہ وہ خواب و خیال تھا مگر اس کا وجدان
گواہی دیتا ہے کہ اگر اور تھوڑی دیر وہی حالت رہتی تو خاتمہ ہوگیا تھا ۔ اور اسی
طرح جب وہ کسی مہ جبیں کے ساتھ کسی عمدہ مکان اور باغ میں عیش و عشرت
کرتے ہوئے اپنے کو دیکھتا ہے تو اس کو یہ خیال نہیں آتا کہ میں اپنے جھونپڑے سے

یہاں کیسے چلا آیا اور اس عیش و عشرت کے کیا اسباب ہوئے اور آیا یہ مہ جبیں اور باغ وغیرہ واقعی ہیں یا یوں ہی ایک خیالی چیز ہے ، بلکہ اس حالت میں وہ پوری جسمانی لذتیں حاصل کرتا ہے جس کے آثار اس کے جسم پر نمودار ہوتے ہیں یہاں تک کہ غسل کی ضرورت ہوتی ہے اور عمر بھر اس عیش کا مزہ بھولا نہیں جاتا ۔ اب کہئے کہ اس عالم خواب کی راحتیں یا مصیبتیں جس طرح گھنٹہ دو گھنٹے رہتی ہیں اگر مستمر ہوجائیں تو جو شخص ان مصیبتوں میں مثلاً بتلا رہتا ہے اس کی نسبت وہ واقعی ہوں یا خیالی لوگ تو یہی کہیں گے کہ وہ سب خیالی ہیں ، مگر اُس کے دل سے پوچھئے تو معلوم ہو کہ جس قدر اس عالم میں مصیبتوں کا وجدان اور صدمہ ہوتا ہے اسی قدر وہاں ان مصیبتوں کا صدمہ اور وجدان ہوتا ہے پھر خیالی کہنے سے اس کو کیا نفع ۔

اب غور کیجئے کہ جب ہم نے ایک ایسے عالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس میں ہر قسم کی جسمانی لذتیں اور مصیبتیں اور ایسے عجائب و غرائب اشیاء ہیں جن کا وجود اس عالم محسوسات میں نہیں ، اور من وجہٍ اس عالم محسوسات کے وہ مشابہ ہیں اور من وجہٍ مخالف ، تو ہم اگر عالم آخرت کو باور کرلیں کہ بعضے امور ہیں وہ اِس عالم کے مشابہ ہیں اور بعض میں مخالف ، اور وہاں ایسے عجائب و غرائب امور ہیں کہ نہ کبھی دیکھے گئے نہ سنے گئے ، تو عقل کو اس کے باور کرنے میں کیا تامل ہے ؟! خصوصاً جب خالق عالم نے خبر دی ہے جس کے وجود اور قدرت اور صدق کو ہم نے مان لیا ہے ۔ اگر باوجود اس کے ہم اس میں نعوذ باللہ شک کریں تو ہم ہرگز اس کے مستحق نہیں ہوسکتے کہ مسلمان کہلائیں ۔

اعمال کی جزاء اور سزا کا عقلی طور پر ثبوت

ایک گروہ حکماء کا جزاء و سزائے اعمال کا قائل تو ہوگیا مگر انھوں نے دیکھا کہ آدمی کے مرتے ہی اس کا جسم علحدہ اور فنا ہوجاتا ہے اور روح باقی رہتی ہے اس لئے وہ صرف تلذذ اور تالم روحانی کے قائل ہوئے کہ : کمال حاصل کرنے سے روحانی لذت ہوتی رہے گی اور نہ حاصل کرنے سے روح کو افسوس ہوتا رہے گا جو ایک قسم کا الم ہے ، اور جزاء دینے والے کی قدرت اور حکمت اور عدل کا کچھ خیال نہ کیا ۔ دیکھئے ایک شخص ہے کہ امتثال امر الٰہی کی غرض سے عمر بھر حرام کے مال سے احتراز کرتا رہا اور باوجود خواہش نفسانی کے کسی اجنبی عورت کی طرف رخ نہ کیا اگر اس کی جزاء اسی قدر ہو کہ ہمیشہ اسی خیال پر نازان رہے کہ میں نے مصیبتیں اٹھاکر کمال حاصل کیا ، تو کیا یہ بھی کوئی جزاء ہوئی ؟ بلکہ تعجب نہیں کہ یہی خیال اس کا وبال جان ہوجائے ، اس لئے کہ ان امور کے ارتکاب کی لذت اور ترک ل کا الم دونوں اس کے وجدانی امر ہیں ، ممکن ہے کہ ان لذتوں کے فوت ہونے پر اس کو افسوس اور حسرت ہو کہ ایسی لذت کو میں نے کیوں ترک کیا ۔ بخلاف اس کے جس قسم کی جسمانی لذتوں کو اس نے ترک کیا اسی قسم کی اعلیٰ درجہ کی لذتیں حق تعالیٰ اپنی قدرت بالغہ کے مناسب اس کو عطاء فرمادے تو کس قدر مطابق عقل اور قرینِ انصاف ہوگا ۔ مثلاً جس نے امتثالِ امر الٰہی کی غرض سے باوجود خواہش نفسانی کے اجنبی عورتوں سے احتراز کیا تو مقتضائے قدرتِ الٰہی عقلاً یہ ہونا چاہئے کہ اپنی کمال قدرت سے ایسی عورتیں اس کے لئے پیدا کرے جو دنیا میں ان کی سی کسی نے نہ دیکھی ہوں ، اور نیز مقتضائے حکمت و قدرت یہ ہوگا کہ ایسی قوت اور لذت اس میں پیدا کرے کہ اس کے حاشیہ خیال میں نہ ہو ۔ اسی طرح مثلاً جس نے خدا کے

حکم کی کچھ پروا نہ کر کے لوگوں کا مال کھایا اس کے لئے عقلاً یہی مناسب ہوگا کہ ایسی بری چیزیں اسے کھلائی جائیں جس کے درد والم کا کسی کو خیال تک نہ آیا ہو۔

الحاصل فرماں برداری ونافرمانی جن اعضاء سے کی گئی، جزاء و سزا میں تلذذ و تألم انہیں اعضاء کا ملحوظ رہنا عقلاً قرین انصاف ہے اسی کو حق تعالیٰ جزاءً وفاقاً فرماتا ہے۔ غرضکہ حق تعالیٰ قادر مطلق ہے، جنتیوں کے ایسے اجسام بنائے گا کہ تلذذ جسمانی ان کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کا حاصل ہو، اسی طرح دوزخیوں کے اجسام بھی ایسے بنائے گا کہ ان سے الم جسمانی انتہائی درجہ کا ہو۔ اور علاوہ اس کے روحانی اکتسابات کے معاوضہ میں روحانی تلذذ اور تألم جداگانہ مستقل طور پر حاصل ہوں گے۔

یوں تو خدائے تعالیٰ قادر تھا کہ نفس کی مرغوب چیزوں کے سوا ایسی چیزیں جزائے اعمال کے لئے معین فرماتا جن سے کمال درجہ کا تلذذ روحانی آدمی کو حاصل ہو، اسی طرح سزا کا بھی یہی طریقہ اختیار فرماتا، مگر ان چیزوں کے بیان کرنے سے جو رغبت مقصود ہے حاصل نہ ہوتی۔ دیکھئے اگر نامرد سے وعدہ کیا جائے کہ تم فلاں کام کروگے تو کسی باکرہ لڑکی کے ساتھ تمہارا نکاح کر دیا جائے گا، تو کیا اس وعدہ سے اس کو رغبت ہوگی؟ ہرگز نہیں، وہ یہی کہے گا کہ حضرت نہ مجھے اس لڑکی کی ضرورت ہے نہ اس بیکار چیز کے واسطے اس کام میں میں تضییع اوقات کر سکتا ہوں۔ اسی پر تخویف کا حال خیال کر لیجئے۔

اس لئے حق تعالیٰ نے جزاء و سزا اور ترغیب و ترہیب میں ان ہی چیزوں کو بیان فرمایا ہے جن سے آدمی کو کمال درجہ کی لذت یا اذیت ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ لذاتِ جسمیہ کے خیال سے عبادت کرنے کو بزرگانِ دین جائز نہیں رکھتے

اور کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ خود مستحق عبادت ہے اس لئے بلالحاظِ معاوضہ عبادت ہونی چاہئے، اور اسی بنا پر کسی شاعر نے لکھا ہے :

حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے
لطف تو جب ہے کہ جنت میں نجانے پاوے

سو یہ مسئلہ دوسرا ہے، اس میں حور اور تمام نعمتیں برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر دیدار الٰہی کے خیال سے عبادت ہو تو وہ بھی معاوضہ ہوا، پھر معاوضہ بھی کیسا کہ التذاذ اور لطف میں سب معاوضوں سے بڑھا ہوا ہے، اس مسلک پر چاہئے کہ عبادت سے دیدار الٰہی بھی مقصود نہ ہو، چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے :

از بہر وصال تو زہر چیز گذشتیم — خواہی نہ اگر وصل ازاں نیز گذشتیم

مگر یہ مسلک عام طبیعتوں کے مناسب نہیں۔ دیکھئے اگر حق تعالیٰ اس مسلک کے لحاظ سے جنت دوزخ کی خبر نہ دیکر فرماتا کہ بلالحاظ جزاء و سزا تم عمر بھر عبادت کئے جاؤ تو کیا عقلی طور پر یہ کلام نتیجہ بخش ہوتا؟ البتہ چند حضرات جن کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت ہے وہ تو عبادت کرتے، باقی لوگ یہی کہتے کہ جب کوئی جزاء و سزا ہی نہیں تو پھر اس جاں فشانی اور محنت شاقہ اٹھانے کی ضرورت ہی کیا۔ غرضکہ مقتضائے عقل یہی تھا کہ عبادت کرنے اور نہ کرنے پر جزاوسزا اور ترغیب و ترہیب ہو، اور ترغیب بھی ایسی چیزوں کی ہو جن سے نفس کو کمال درجہ کی رغبت ہو، اور ترہیب میں بھی وہ چیزیں بیان ہوں جن سے اعلیٰ درجہ کا خوف ہو۔

ترغیب و ترہیب سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس کام پر کسی نعمت کا وعدہ دیا گیا ہو اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو وہ کام پسند ہے، اور اس کا کرنا باعث رضا و خوشنودی الٰہی ہے۔ اسی طرح جن کاموں پر تخویف کی گئی

ان سے خدائے تعالیٰ کی ناراضگی ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے جن کاموں پر اجر عظیم اور بڑی بڑی نعمتوں کا وعدہ دیا گیا ہے اہل اخلاص ان کو حدیثوں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عمل میں لاتے ہیں اور وعید سے متعلق کاموں کو ترک کرتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ اپنا خالق اور مالک راضی ہو اور رضی اللہ عنہ کے وعدہ کے مستحق ہو جائیں۔

ایک بزرگ صاحب نسبت جنت کی دعاء کر رہے تھے کسی نے کہا حضرت آپ اور یہ دعاء !! فرمایا ہم جنت اس واسطے طلب کرتے ہیں کہ وہاں دیدار الٰہی ہوگا جیسے کوئی اپنے دوست کا مکان ڈھونڈتا ہے جس مقصود صاحب مکان ہوتا ہے۔ غرضکہ جو لوگ جنت کے لذائذ کی رغبت اور آفات دوزخ کے خوف سے عمل کرتے ہیں وہ اور مخلصین نفس عمل میں برابر ہیں صرف مقاصد کا فرق ہے۔ چونکہ آدمی بالطبع اپنی آسائش چاہتا ہے اور مصیبتوں سے بھاگتا ہے اس لئے عام اہل ایمان اسی درجہ میں ہیں۔ اور ان کو عمل کرنے پر مجبور کرنے والے خوف و رجاء ہیں جن کا منشاء ایمان ہے، یعنے جب ان کو یقین ہوتا ہے کہ ہمیں مرنے کے بعد ہمیشہ اُس عالم میں رہنا ہے اور اچھے کام کریں تو جنت ملے گی ورنہ دوزخ، تو لازماً ان کو عمل کرنا پڑتا ہے۔ اور جس کو ایمان یعنے یقین بھی نہ ہو تو وہ عمل کو فضول سمجھے گا کہنے کو تو ہر شخص یہی کہتا ہے کہ مجھے یقین ہے، مگر یقین وہ ہے جس پر آثار مرتب ہوں

ایمانی حالت کی مثال:

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر حکم شاہی کسی کے قتل کے لئے نافذ ہو اور اُس کو معلوم بھی ہو جائے کہ میں دو تین روز میں قتل کیا جانے والا ہوں تو اس کے دل

کی کیا حالت ہوگی ؟! اس کے افعال و حرکات کس قسم کے ہوں گے ؟ اگرچہ اس کے گھر میں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان مہیا ہوں اور نفیس نفیس غذائیں اس کے روبرو رکھی جائیں اور عمدہ عمدہ لباس پیش کئے جائیں تب بھی اس کی توجہ کسی چیز کی طرف نہ ہوگی، اس کی کیا وجہ ہے ؟ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ تمام عیش و عشرت راحت و مسرت کا مدار دل کی فرحت پر ہے، اور جب دل ہی میں اس قتل کے یقین نے گھر کر لیا تو اس کے دل میں فرحت کو جگہ ہی کہاں جس سے عیش و عشرت کا لطف اٹھاسکے۔ اسی وجہ سے حق تعالیٰ فرماتا ہے ان اللّٰہ لا یحب الفرحین یعنے "خدائے تعالیٰ فرحت والوں کو دوست نہیں رکھتا" کیونکہ فرحت کا لازمہ بے خوفی ہے جس سے ناشائستہ حرکات کا صادر ہونا ضروری ہے۔ غرضکہ جب شخص مذکور باقتضائے حالت و طبیعت کھانے پینے اور عیش و عشرت کی طرف رغبت نہ کرے تو اس پر یہ الزام لگانا بے موقعہ ہوگا کہ اس نے رہبانیت اختیار کی ہے جو شرع شریف میں مذموم ہے! اگر اس کو حدیث لا رھبانیۃ فی الاسلام سنائی جائے تو وہ مرد رو رو کر کہے گا کہ حضرت یہ صحیح ہے مگر دل جو قابو میں نہیں اس کا کیا علاج ؟ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ جس طرح حکم شاہی کا یقین اس حالت تک پہونچا دیتا ہے، اسی طرح جس کو خدا اور رسول کے کلام کا یقین اس درجہ کا ہو جو شخص مذکور کو ہے ضرور اس کو عمل پر مجبور کرے گا۔ اور اگر یقین ہی نہ ہو تو ایمان صادق نہیں آسکتا۔

ضرورتِ یقین:

اس لئے کہ ایمان یقین ہی کا نام ہے جس پر آثار مرتب ہوتے ہیں، چنانچہ

حدیث شریف میں ہے الیقین الایمان کلہ -

کنزالعمال کی کتاب الاخلاق میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے اپنی امت پر کسی بات کا خوف نہیں سوائے ضعف یقین کے ۔ یعنے ڈرہے تو یہی ہے کہ کہیں ان کے یقین میں ضعف نہ آجائے ۔ اور نیز اسی میں یہ روایتیں بھی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا سے حسن یقین مانگا کرو، اور جس طرح قرآن سیکھتے ہو یقین بھی سیکھا کرو ۔ یہ حدیثوں کا مضمون تھا ۔ اب قرآن شریف بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ فرماتا ہے و ھم بالاٰخرۃ ھم یو قنو ن اولٰئک علیٰ ھدًی من ربھم و اولٰئک ھم المفلحون " وہ لوگ یعنے متقین آخرت کا یقین کرتے ہیں وہی ہدایت پر ہیں اور وہی رستگاری پانے والے ہیں " ۔ یہ آیت شریفہ قرآن شریف کی ابتداء میں پہلے ہی رکوع میں ہے تاکہ پہلے پہل ہر مسلمان کی نظر اس پر پڑے اور سمجھ جائے کہ ہدایت اور رستگاری بغیر یقین کے ممکن نہیں اس لئے اس کے درست کرنے کی فکر میں لگا رہے جس پر آثار مرتب ہوں ۔

روض الریاحین میں امام یافعیؒ نے لکھا ہے کہ بادشاہ وقت نے شاہ کرمانیؒ کی لڑکی کو پیام دیا، آپ نے تین روز کی مہلت چاہی اور مسجدوں میں صلحاء کی تلاش کو نکلے، کسی مسجد میں ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا کہ نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہا ہے، بعد نماز اس سے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے ؟ کہا نہیں، فرمایا ایک لڑکی قرآن پڑھی ہوئی نمازی اور روزہ دار ہے اور باوجود ان صفات کے خوبصورت بھی ہے کیا اس سے نکاح کروگے ؟ کہا ایسی لڑکی کون دے گا ؟ فرمایا میں دیتا ہوں، جاؤ اور ایک درہم کی روٹی اور ایک درہم کا سالن اور ایک درہم کی

خوشبو خرید لاؤ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں! لڑکا وہ خرید لایا اور آپ نے اپنی صاحبزادی کو نکاح کرکے اس کے گھر روانہ کردیا ۔ دلہن جب دلہے کے گھر گئی تو دیکھا کہ سوکھی روٹی کا ٹکڑا کہیں رکھا ہے پوچھا یہ روٹی کیسی ؟ کہا کل میں اس میں سے کچھ کھا کر آج کے افطار کے لئے یہ ٹکڑا اٹھا رکھا تھا، یہ سنتے ہی صاحبزادی نے اپنے گھر کی راہ لی، دلہے نے کہا میں جانتا تھا کہ شاہ کرمانیؒ کی لڑکی قناعت کرکے مجھ فقیر کے گھر میں نہ رہے گی! صاحبزادی نے کہا شاہ کرمانیؒ کی لڑکی تمہارے فقر کی وجہ سے واپس نہیں جاتی بلکہ تمہارا ضعف یقین اس کو گھر سے نکال رہا ہے، مجھے تم سے تعجب نہیں اپنے والد بزرگوار پر تعجب ہے جو انہوں نے کہا تھا کہ ایک جوان عفیف کے ساتھ میں نے تمہارا نکاح کردیا ہے، بھلا ایسا شخص عفیف ہوسکتا ہے جس کو بغیر روٹی کے خدا پر اعتماد نہ ہو!! دلہے نے کہا میں اس کی معذرت چاہتا ہوں ؟ کہا عذر کا حال تم جانو میں تو اس گھر میں نہیں رہ سکتی جہاں کھانے کی کوئی چیز رہے، یا روٹی رہے گی یا میں رہوں گی ۔ انھوں نے روٹی فقیر کو دے دی اور قصہ فیصل ہوگیا ۔ دیکھئے یوں لڑکپن سے یقین کی تعلیم ہوا کرتی تھی ۔

شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۰ میں اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ ابوالعباس سبطیؒ کے پاس ایک شخص نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی، فرمایا نکاح کرو! اس نے نکاح کیا، پھر کئی روز کے بعد آکر کہا حالتِ سابقہ میں کچھ فرق نہ آیا ؟ آپ نے فرمایا دوسرا نکاح کرو! اس نے دوسرا نکاح کیا جب بھی دیکھا کہ ہموں آش در کاسہ ہے، چند روز کے بعد پھر شکایت کی، فرمایا تیسرا نکاح کرو! چونکہ مرید صادق تھا اس بار بھی امتثال امر کیا، دیکھا کہ اور مصیبت بڑھ گئی " یک نہ شد دو شد سہ شد " کا مضمون صادق ہے، پھر شکایت کی، فرمایا چوتھا نکاح کرو! اس نے بغیر کسی

عذر و حیلہ کے چوتھا نکاح بھی کر لیا شیخ نے فرمایا اب کمال ہو گیا، چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو غنی کر دیا حالانکہ عورتیں سب فقیرنیاں تھیں ۔ آپ نے مرید کے یقین کو دیکھ لیا کہ شکایت فقر کی ہو رہی ہے اور پیر صاحب فرماتے ہیں نکاح کر لو یعنے اور محتاج بنو ! پھر ایک نہیں دو نہیں تین نہیں چار فقیرنیاں جب اس فقیر کے سر ہو گئی ہوں گی تو اس بیچارے کی کیا حالت ہوئی ہو گی ؟ ہر وقت " گدا بر گدا لعنتِ خدا " کا مضمون پیش نظر رہتا ہو گا! مگر واہ رے خوش اعتقاد یہ بھی تو نہ کہا کہ حضرت آپ یہ کیا کہہ رہے ہو میں خود فقر سے مر رہا ہوں ان کو کہاں سے کھلاؤں ؟ اب پیر صاحب کے یقین کا حال دیکھئے انھوں نے دیکھا کہ قرآن شریف میں ہے و أنکحوا الأیامیٰ منکم و الصالحین من عبادکم و امائکم ان یکونوا فقرآء یغنهم اللّٰہ من فضلہٖ یعنے "جو مرد اور عورتیں تم میں ایسے ہوں جن کے جوڑے نہ ہوں ان کا اور نیک بخت غلام اور لونڈیوں کا نکاح کر دو، اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا" ۔ وہ جانتے تھے کہ حالت افلاس میں نکاح دوہری مصیبت اور سراسر خلاف عقل ہے مگر ان کو اس وعدہ کا ایسا یقین تھا کہ اس میں شک اور احتمالاتِ عقلیہ کو ذرہ برابر بھی گنجایش نہ ملی، اور سمجھتے تھے کہ یہ تاخیر فقط اعتقاد کی آزمایش کی غرض سے ہے اس لئے آخری حد یعنے چار تک پہونچا دیا، جب پیر و مرید آزمائش میں پورے اترے اس وقت حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

اسی قسم کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی پیش آیا تھا، چنانچہ بخاری اور مسلم میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میرے بھائی کا

پیٹ جاری ہو گیا ہے! فرمایا شہد پلاؤ، دوبارہ آکر عرض کیا کہ پلایا مگر کچھ نفع نہیں ہوا، فرمایا پھر پلاؤ، پھر پلایا مگر پھر بھی کچھ نفع نہ ہوا، پھر وہی ارشاد ہوا آخر تیسرے یا چوتھے بار میں فرمایا : اللہ تعالیٰ سچ کہتا ہے اور تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے پھر شہد ہی پلاؤ! اس بار کے پلانے میں صحت ہو گئی ۔ ہرچند امام ذہبیؒ اور ابن قیمؒ وغیرہ نے اس کی توجیہ میں اصول طبیہ سے مدد لی ہے مگر اصل بات یہی تھی کہ حق تعالیٰ نے شہد کے باب میں فیه شفاء للناس فرمایا ہے اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار شہد ہی پلانے کو فرماتے تھے، اور شفاء میں تعویق ہونے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ صحابی کے یقین کا امتحان مقصود تھا ۔ غرضکہ ہمارے دین میں یقین ایک ضروری چیز ہے، اسی وجہ سے صوفیائے کرام کو خاص قسم کی توجہ اس کے حاصل کرنے کے طرف تھی اور اس باب میں وہ تمام فرق اسلامیہ میں ممتاز ہیں جیسا کہ کتب تصوف اور ان حضرات کے تذکروں سے واضح ہے۔

معنی "واعبُد ربکَ حتیّٰ یاتیکَ الیقینْ" :

یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ یقین ایک کیفیت قلبی کا نام ہے جس کی نوعیت وجدان سے معلوم ہوتی ہے ۔ مثلاً کوئی بوٹی کھانے سے آدمی مرجائے تو دیکھنے والے کو ابتداء میں احتمال ہو گا کہ شاید وہ بوٹی زہریلی ہو، پھر جب دس بیس آدمی اس کے روبرو کھائیں اور وہ سب مرجائیں تو وہ احتمالی کیفیت زائل ہو کر ایک ایسی کیفیت دل میں پیدا ہو گی کہ جس کی وجہ سے آدمی وہ بوٹی نہ خود کھائے گا اور نہ کسی کو کھانے دے گا، اور اگر کھانے دے گا تو اسی کو جس کا مرنا منظور ہو یہ اس کیفیت کا اثر ہے جو اس کے دل میں اس بوٹی کی تاثیر کی نسبت پیدا ہوئی تھی،

اس قسم کی کیفیت محسوسات میں تو آدمی بذریعہ، تجربہ وغیرہ اپنے اختیار سے حاصل کر سکتا ہے مگر جو چیز محسوس نہ ہو اس کے نسبت یہ کیفیت پیدا کرنا آدمی کے اختیار سے خارج ہے، کیونکہ عقل ایسی باتیں تلاش کرتی ہے جن کی وجہ سے یقینی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل ہی نہیں، اور انہوں نے عالم کا کام مادہ اور اجزائے دیمقراطیسی سے متعلق کر دیا کہ جتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں مادہ کے انقلابات کا اثر ہے۔ ہر چند اس کے رد میں بہت سارے دلائل بیان کئے جاتے ہیں مگر ان کی عقلیں ان دلائل س کے جوابات بھی تراش لیتی ہیں۔

غرض کہ غیر محسوس امور کا یقین حاصل کرنے میں عقلیں قاصر ہیں، جب تک منجانب اللہ وہ کیفیت دل میں ڈالی نہ جائے یقین حاصل نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے حق تعالیٰ فرماتا ہے أفمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علیٰ نور من ربہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر اور انکشاف نورانی ہوتا ہے جس سے آدمی اسلام کو قبول کرتا ہے، اس کے بعد عقل اس پر دلائل بھی قائم کر لیتی ہے، پھر اس شرح صدر کے مدارج مختلف ہیں اس لئے کہ جو شرح صدر انبیاء علیہم السلام کو ہوتا تھا ممکن نہیں کہ عوام الناس کو ہو، اسی وجہ سے یقین کے مدارج مختلف ہیں، دیکھئے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و آیات کا یقین جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ہوتا ہے اس پر وہ آثار مرتب ہوتے ہیں جو عوام الناس کے یقین پر نہیں ہو سکتے، ہر چند اس قسم کا ضعیف الیقین شخص بھی مسلمان سمجھا جائے گا مگر ضعف یقین کی وجہ سے اکثر وہ امور اس سے سرزد ہونگے جو خلافِ مرضیِ الٰہی ہیں جس کے باعث آدمی مستحق عذاب ہوتا ہے، بخلاف کامل الیقین حضرات کے کہ

ان کو ہر وقت حق تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات اور جزاء و سزا کا گویا مشاہدہ رہتا ہے جس سے خلافِ مرضیِ الٰہی امور کا ارتکاب محال یا دشوار ہو۔ چونکہ اسلامی دنیا میں یہ درجہ نہایت بلند اور مقصود بالذات ہے اس کو حاصل کرنے کی یہ تدبیر بتائی گئی کہ عبادت الٰہی جہاں تک ہو سکے زیادہ کی جائے، کیونکہ عبادت کے معنی خضوع و تذلل کے ہیں اور تذلل کے معنی لغت میں فرماں بردار ہونے کے ہیں، جب آدمی حق تعالیٰ کے روبرو عاجزی کرے اور اعمال و اعتقادات میں فرماں بردار رہے تو امید قوی ہے کہ حق تعالیٰ اس کے صلہ میں اس کو وہ یقین عطاء فرمائے گا جس کی وجہ سے کوئی امر خلاف مرضی الٰہی صادر نہ ہو، چنانچہ ہر شخص کو ارشاد ہو رہا ہے قولہ تعالیٰ و اعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین یعنے عبادت کیا کرو تا کہ خدا کی طرف سے وہ یقین تمہیں عطاء ہو جس کی وجہ سے مرضی الٰہی کے مطابق تم سے اعمال و افعال صادر ہوں اور عبادت یقین کے ساتھ ہونے لگے، جس کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث صحیح میں فرمایا:

حدیث "وَاعْبُدْ رَبَّکَ کَاَنَّکَ تَرَاہ"

و اعبد ربک کَاَنَّکَ تراہ یعنے عبادت اس یقین کے ساتھ کیا کرو گویا اللہ تعالیٰ کو تم دیکھ رہے ہو۔ شریعت میں اس کو "احسان" کہتے ہیں، جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص نہایت سفید لباس پہنا ہوا آکر حضرتؐ کے روبرو زانو سے زانو ملاکر بیٹھ گیا اور پوچھا کہ:
"اسلام" کیا چیز ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی

شہادت دینی اور نماز، زکاۃ، روزے اور استطاعت ہو توحج ادا کرنا۔ کہا آپ نے سچ
کہا، پھر پوچھا : "لمان" کیا چیز ہے؟ فرمایا یقین کرنا اللہ کا اور اس کے ملائکہ اور
کتابوں اور رسولوں کا اور یقین کرنا اس بات کا کہ خیر و شر اللہ ہی کی طرف سے ہے
کہا آپ نے سچ کہا، پھر پوچھا : "احسان" کیا چیز ہے؟ فرمایا أن تعبد اللّٰہ کانک
تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنے ایسی طور پر اللہ کی عبادت کرو کہ گویا
تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے
وہ شخص چلا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ
یہ سوال کرنے والے کون تھے؟ میں نے کہا اللّٰہ و رسولہ اعلم! فرمایا : وہ
جبرئیل تھے اور تم لوگوں کو دین کی تعلیم کرنے غرض سے آئے تھے۔

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کا یقین اور مشاہدہ حاصل ہونے
کے بعد بھی عبادت کرنے کا حکم ہے، بلکہ عبادت اسی قسم کے یقین کے ساتھ کرنے
کی ضرورت ہے۔ غرضکہ آیت شریفہ و اعبد ربک حتے یاتیک الیقین سے
درجہ احسان کے طرف اشارہ ہے جو درجہ لمان سے بالاتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین سے زیادہ کسی کو یقین نہیں ہو سکتا،
باوجود اس کے حضرتؐ سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے، اس کا حال تمام اکابر
صوفیہ قدست اسرارھم اپنی کتابوں میں ذکر فرماتے ہیں۔

ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب خداے تعالیٰ کی ذات اور
صفات کے یقین سے عبادت یعنے خضوع اور تذلل کی ضرورت ہو، تو یقین کے بعد
بطریق اولی ضرورت ہوگی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جس کو خداے تعالیٰ کی ذات و
صفات کا یقین اعلیٰ درجہ کا ہو اور وہ اپنے خالق اور مالک کے روبرو عاجزی اور تذلل

نہ کرکے خودسری اختیار کرے اور یہ کہے کہ میں تو کبھی اس کے روبرو سر نہ
جھکاؤں گا!! ہاں یہ بات دوسری ہے کہ بے خود ہوجائے اور اس کو نہ اپنا خیال رہے
نہ کھانے پینے وغیرہ حوائج کا، ایسے شخص کو "مجذوب" کہتے ہیں اور وہ مثل شیرخوار
لڑکوں کے "مرفوع القلم" ہوجاتا ہے، مگر اس حالت کو یقین سے کوئی تعلق نہیں
کیونکہ یقین سمجھ سے متعلق ہے، جیسے آفتاب کے روشن ہونے کا آدمی کو یقین ہوتا
ہے، اور باوجود اس کے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ از خود رفتہ مرفوع القلم ہوگیا، اس
لئے کہ اس کی سمجھ بوجھ باقی ہے۔

غرضکہ جب تک آدمی میں سمجھ اور عقل باقی ہے کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا یقین
ہو مرفوع القلم نہیں ہو سکتا، بلکہ اس یقین کی بدولت وہ سب سے زیادہ عبادت
کرتا ہے۔ اس وجہ سے جتنے اکابر صوفیہ گزرے ہیں سب نے عبادت الٰہی میں اعلیٰ
درجہ کی جانفشانیاں کیں۔

تصوف کا اصل اصول شریعت پر عمل کرنا ہے

الحاصل ان حضرات کے اصول وہی ہیں جو شریعت میں صراحت کیے گئے ہیں
مگر ان کے یہاں اصل اصول عمل ہے۔ جس طرح علماء کو ذخیرۂ علمی بڑھانے کی
طرف توجہ ہے ان حضرات کو اعمال کا ذخیرہ بڑھانے کی فکر رہتی ہے، کیونکہ قرآن
شریف میں ہر جگہ لمان کے ساتھ عمل کا ذکر ہے اور جنت بھی بظاہر جزائے اعمال
ہی معلوم ہوتی ہے، جیساکہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ تلک الجنۃ التی
اورثتموھا بما کنتم تعملون۔

اتباعِ نبی سے محبوبیت کادرجہ ملتا ہے :

اور سب سے بڑی بات یہ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم یعنے " کہو ان سے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو جس سے خداے تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا " ۔

کسی مذہب و ملت والا خواہ ہندو ہو یا یہودی وغیرہ ایسا نہ ہو گا جس کو خداے تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ نہ ہو، اس لئے کہ کوئی تھوڑا بھی احسان کرتا ہے تو آدمی اس کو دوست رکھتا ہے چہ جائیکہ خداے تعالیٰ کا کرم جو عدم سے وجود میں لایا اور تمام حواس وقویٰ دیے جن میں کا ہر ایک لاقیمت چیز ہے ، ممکن نہیں کہ کوئی معمولی عقل والا بھی خدا کو دوست نہ رکھے ۔ گو محبت میں مدارج ہوں مگر بلحاظ دعویٰ اس باب میں سب برابر ہیں ۔ مگر اصل فضیلت یہ ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کا محبوب بنے ، اس کی تدبیر حق تعالیٰ نے یہ بتائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو تو تم ہمارے محبوب ہو جاؤ گے ! اب جو اہل اسلام میں عقلمند لوگ تھے انھوں نے ہمت کرلی کہ " ہرچہ بادا باد " ہم حضرتؐ کی اتباع اور پیروی اس طرح کریں گے کہ جو کچھ حضرتؐ نے کیا اور فرمایا اس میں سرمو فرق نہ آئے خواہ دنیا میں تکلیف ہو یا ذلت ، پہلے انھوں نے حضرتؐ کی طرز معیشت پر نظر ڈالی دیکھا کہ باوجودیکہ حبیبِ رب العالمین اور مقصودِ کائنات ہیں مگر فقروفاقہ کے اعلیٰ درجہ میں آپ کا مقام ہے ۔

آں حضرتؐ کی فقیرانہ گزران :

مواہب لدنیہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا قسم کھا کر کہتی ہیں کہ مسلسل تین تین مہینے اس حالت میں گزر جاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی کے گھر میں آگ سلگنے کی نوبت نہیں آتی تھی ۔ ان کے بھانجے عروہؓ نے پوچھا پھر کھاتے کیا تھے ؟ فرمایا کھجور اور پانی پر گزران تھی ..... ۔ اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ سارا سارا دن گزر جایا کرتا تھا اور مارے بھوک کے حضرتؐ بے تاب ہوا کرتے مگر ادنیٰ درجہ کے چھوہارے بھی اتنے نہیں ہوتے کہ ان سے سیری ہوسکے ..... ۔ جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پے در پے کئی راتیں ایسی گزر جاتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت کے سب گھر والے بھوکے سوتے تھے ۔

صحیح مسلم وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت برآمد ہوئے کہ اُس وقت برآمد ہونے کی عادت نہ تھی ، اتفاقاً ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما بھی اس وقت آگئے ، حضرتؐ نے ان سے خلاف عادت آنے کا سبب دریافت فرمایا ؟ عرض کیا الجوع یارسول اللہ یعنے بھوک شدت سے لگی ہے ، آپنے فرمایا میری بھی یہی حالت ہے ، پھر ان کو لے کر حضرت ایک انصاریؓ کے مکان پر تشریف لے گئے انہوں نے ان حضرات کو دیکھتے ہی خدا کا شکر بجالاکر کہا کہ آج مجھ جیسا خوش قسمت دنیا میں کوئی نہیں جس کے گھر ایسے مہمان ہوں ! اور ایک بکری ذبح کی اور روٹی اور گوشت پیش کیا ، آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا یہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے یہاں لیجاؤ کئی روز سے انھیں گوشت نہیں ملا ، بعد فراغت حضرتؐ نے فرمایا کہ اس نعمت کے تعلق سے بھی

قیامت کے روز سوال ہوگا...... ۔ جامع ترمذی میں روایت ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم کئی شخصوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ہمیں اس وقت اس قدر بھوک لگی ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے کی ضرورت ہوئی، چنانچہ ہر ایک نے ایک ایک پتھر دکھلایا، حضرتؐ نے اپنا قمیص مبارک اٹھایا تو دو پتھر شکم مبارک پر بندھے تھے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ خلاف عادت بیٹھ کر نماز ادا فرمارہے ہیں! میں نے استفسار حال کیا؟ فرمایا بھوک کی وجہ سے میں کھڑا نہیں رہ سکتا، ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں بے اختیار رو دیا...... ۔ بخاری اور مسلم وغیرہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں کہ : انتقال کے قریب حضرتؐ نے اپنے گھر والوں کے لئے ایک دینار کے جو خرید فرمائے تھے جس کے عوض میں زرہ کو گرو رکھنے کی ضرورت ہوئی اس وجہ سے کہ ادائے قیمت کی کوئی تدبیر نہ ہو سکی تھی...... ۔ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے لیف (پوست خرما) بھرا ہوا تھا۔ اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں حضرتؐ کا بستر مبارک وہی ٹاٹ تھا جو ہمیشہ بچھا رہتا تھا آرام کے وقت صرف دوہرا کر لیا جاتا تھا، ایک روز صرف چار تہہ کر کے بچھایا گیا اس پر حضرتؐ خفا ہوگئے کیونکہ اس کی نرمی سے کسی قدر زیادہ استراحت فرمائی اور فرمایا کہ آئندہ عادت کے مطابق دوہرا کر دیا کرو۔ اسی قسم کی اور بہت سی روایتیں ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ حضرتؐ کی گزران بالکل فقیرانہ تھی ۔

آں حضرتؐ کا فقر اختیاری تھا :

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرتؐ کا فقر اضطراری تھا! اس لئے کہ یہ واقعات اوائل اسلام کے نہیں ہیں جو مکہ معظمہ میں سختیوں کا زمانہ تھا، بلکہ مدینہ منورہ کے ہیں جہاں انصار نے مہاجرینؓ کو اپنی املاک میں شریک کر لیا تھا، جب انھوں نے مہاجرین سے مال کو دریغ نہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا کیا حال ہوگا!! اس زمانہ میں مریدوں کا اعتقاد جیسا ہوتا ہے معلوم ہے ، باوجود اس کے ان کے پیر نذرانوں سے امیر بنے رہتے ہیں!! پھر جب مہاجرین و انصار جیسے ہزاروں جان نثار حضرتؐ کی خدمت میں ہوں اور وہ سب مفلس بھی نہیں بلکہ علاوہ ذاتی املاک کے مال غنیمت بھی وقتاً فوقتاً ان میں تقسیم ہوتا تھا اور ان کے اعتقاد کی یہ کیفیت کہ ہر وقت اپنے جان و مال حضرتؐ پر نثار کرنے کو مستعد، صرف اشارہ پر مال تو کیا جان دینے کو بھی باعث نجات سمجھتے تھے، تو ایسی قوم میں حضرتؐ کی دنیوی حالت کیسی رہنی چاہئے تھی۔

آں حضرتؐ بیدریغ خرچ فرماتے تھے :

پھر خود حضرتؐ کی ذاتی حالت بھی کچھ ایسی نہ تھی کہ فقر و فاقہ کی نوبت پہونچتی ، بلکہ بفضلہ تعالیٰ علاوہ سلطنت معنوی کے سلطنت ظاہری بھی حاصل تھی جس کا اثر یہ تھا کہ بیدریغ مال خرچ فرماتے تھے، چنانچہ "شفاء" میں صحاح سے یہ روایت منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ حضورؐ سے کسی نے کچھ مانگا اور آپ نے اس کو "نہیں" فرمایا ہو۔ چنانچہ حسان بن

ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے :

ماقال "لا" قط الافی تشھدہ لولا التشھد لم تسمع لہ "لالا"

یعنے تشہد میں تو آپ نے "لا" کہا (یعنے اَشھد اَن لا الٰہ اِلا اللّٰہ) اسکے سوا پھر کبھی آپ سے لفظ "لا" نہیں سنا گیا جو کسی سائل کے جواب میں فرمایا ہو۔ کیا کوئی ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی ایسا ہوا ہے جو کسی سائل کو محروم نہیں کیا!! یہاں تک تو نوبت پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی شخص کچھ مانگتا اور حضرتؐ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ قرض لے لو ہم ادا کر دیں گے، چنانچہ شفاء میں ترمذی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرتؐ سے کسی چیز کی درخواست کی، آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے مگر تم وہ چیز خرید کر لو ہم اس کی قیمت ادا کر دیں گے، عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ خدائے تعالیٰ نے یہ تکلیف آپ کو نہیں دی کہ جو آپ کے پاس نہ ہو اس کے بھی ذمہ دار ہوا کریں! یہ سن کر آں حضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر ناخوشی کے آثار نمایاں ہوے، کسی مزاج دان انصاریؓ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ خرچ کئے جائیے اور کبھی خوف نہ کیجئے کہ خدائے تعالیٰ آپ کو محتاج کرے گا !اس کلام سے حضرتؐ کے چہرۂ مبارک پر آثار بشاشت پیدا ہوے اور تبسم کرتے ہوئے فرمایا کہ : ہاں مجھے بھی ایسا ہی حکم ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ آیت شریفہ ولاتبسطھا کل البسط یعنے ہاتھ بالکل کشادہ مت کرو، اس کے مخاطب کوئی دوسرے لوگ ہیں جن کا قدم توکل میں راسخ نہیں۔ اگر ایسے لوگ سب مال خرچ کر ڈالیں تو ضرورت کے وقت ان کو پچھتانے کی نوبت آتی ہے اس لئے ان کو پہلے ہی سے منع فرمادیا۔ عرب کی عادت تھی کہ کبھی خطاب مخاطب سے کرتے اور مقصود دوسرا ہوتا، چنانچہ اسی قسم کا خطاب

یہ ہے جو قرآن شریف میں ارشاد ہے فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریماً یعنے "اپنے ماںباپ کو تو اف نہ کہہ اور نہ جھڑک اور کہہ ان سے بات ادب کی" ۔ ظاہراً خطاب حضرتؐ کی طرف ہے مگر دراصل مقصود دوسرے لوگ ہیں کیونکہ حضرتؐ کے والدین اس خطاب کے وقت زندہ نہ تھے۔

ایک شخص نے حضرتؐ سے کچھ مانگا اور آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا، نصف وسق خرما (یعنے ۳۰ صاع) جو تخمیناً تین من پختہ ہوتے ہیں کسی سے قرض لے کر اس کو عنایت فرمایا، جب قرضدار تقاضے کو آیا تو آپ نے بجاے آدھے کے ایک وسق دیکر فرمایا کہ نصف وسق ادائی میں لو اور نصف وسق عطیہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کو فقط دینا ہی دینا مقصود تھا۔

معوذ بن عفراء کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں کچھ خرماے تر اور کچھ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھ کر آں حضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے اس کے عوض میں ایک کف بھر سونا عنایت فرمایا۔ رطب اور لکڑیوں کی مالیت چار چھ آنے سے زیادہ نہ ہوگی مگر اس کے عوض میں بے حساب سونا دینا ہر کسی کا کام نہیں۔

ایک روز نود ہزار (۹۰،۰۰۰) درہم حضرت کے پاس کہیں سے آئے، آپ ان کو ایک بوریے پر ڈلوا کر تقسیم کرنے کو کھڑے ہوگئے، جس نے جو مانگا دیا، یہاں تک کہ سب اسی وقت تقسیم ہوگئے۔

ایک شخص نے حضرتؐ سے بکریاں مانگیں، اتنا بڑا ریوڑ بکریوں کا اس کو دیا کہ دو پہاڑوں کے بیچ کا میدان اس سے بھرا ہوا تھا، چنانچہ ایک شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے :

واَتاہ اَعرابی التمس الندیٰ اَعطاہ شاءً ضمھا جبلان

اس شخص نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ محمدؐ ایسی بخشش کرتے ہیں کہ فاقہ کا انہیں کچھ خوف ہی نہیں۔

ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ تو آپ نے بارہا دیے ہیں۔ قبیلہ ہوازن کو آپ نے غلام، لونڈیاں، بکریاں وغیرہ جو بخشش کیں اس کی قیمت کا اندازہ پچاس کروڑ درہم کا کیا گیا ہے، یہ سب روایتیں شفاء میں مذکور ہیں جن کو قاضی عیاضؒ نے کتب معتبرہ سے نقل کیا ہے۔ اب کہیئے کیا کوئی فقیر اتنی بخشش کر سکتا ہے؟ فقیر کو جانے دیجئے، کیا کوئی تاریخ داں کسی پادشاہ کو نظیر میں پیش کر سکتا ہے جس کی سخاوت اس حد تک پہونچ گئی ہو؟ ممکن نہیں، اس لئے کہ سلاطین تو فقر و فاقہ کو شقاوت سمجھتے ہیں اور کثرت خزائن کو سعادت، پھر ایسا کون سا پادشاہ ہوگا جو سعادت کو چھوڑ کر شقاوت حاصل کرے؟ یہ حضرتؐ ہی کا کام تھا کہ جتنا مال آگیا جلدی سے اسے خرچ کر دیا تاکہ فقر کی دولتِ بے زوال ہاتھ سے جاتی نہ رہے۔

شفاء میں قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کوئی چیز نہیں کھائی، اور نہ کبھی اس کی شکایت کی، حضرتؐ کو غنیٰ سے زیادہ فقر و فاقہ مرغوب تھا، بارہا یہ ہوا ہے کہ بھوک کی وجہ سے رات بھر نہایت بے چین رہتے اور پھر دن کو روزہ رکھتے، اگر آپ چاہتے اور دعاء کرتے تو روئے زمین کے خزانے حاصل ہوتے جن سے فراخی عیش بخوبی ہوتی، حضرتؐ کی بھوک کی حالت دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا، ایک بار شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر میں نے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو دنیا سے اتنا تو آپ لیتے جو بقدر کفاف ہو! فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا تعلق؟ میرے بھائی اولوالعزم پیغمبر اس سے زیادہ مصیبتوں پر عمر بھر صبر کرتے رہے، جب وہ اپنے رب کے پاس گئے تو

ان کا اکرام ہوا اور اس کے عوض میں بڑی بڑی عطائیں اور نعمتیں پائیں مجھے شرم آتی ہے کہ میں مرفہ الحالی میں زندگی بسر کر کے اپنے بھائیوں سے پیچھے رہ جاؤں، مجھے اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اپنے بھائیوں اور دوستوں اور رفیق اعلیٰ سے ملوں"۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان ارشادات کے بعد ایک مہینہ نہ گزرا ہوگا کہ حضرتؐ نے انتقال فرمایا۔

حضورؐ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجہ کی ترقی مدارج فقر اختیاری سے وابستہ ہے، اور اہل انصاف پر عملی طور سے مبرھن فرما دیا کہ دعوائے رسالت سے کوئی دنیوی حظ مقصود نہیں صرف تعمیل امر الٰہی پیش نظر ہے **وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ** یعنے "کہو اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے تبلیغ رسالت پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا میرا اجر اللہ ہی پر ہے" یہیں سے حقانی اور شکم پرور لوگوں کا امتیاز ہوجاتا ہے جن کی جاں فشانیاں اس مقولہ کو صادق کر دکھاتی ہیں کہ: "ایں ہمہ شکل برائے اکل"۔

نیز شفاء میں منقول ہے کہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حق تعالیٰ کی طرف سے بعد سلام یہ پیام پہونچایا کہ کیا آپ اس بات کو دوست رکھتے ہو کہ یہ پہاڑ سونے کے ہو جائیں اور آپ کے ساتھ رہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اے جبرئیل دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کو گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کو مال نہ ہو اور اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو، جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو اللہ تعالیٰ قول ثابت پر ہمیشہ ثابت رکھے۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مکہ کی ریتیلی زمین کی ریت اور کنکروں کو سونا بناکر مجھ پر پیش فرمایا میں نے عرض کی کہ یارب ! میں یہ نہیں چاہتا، میری دلی خواہش یہ ہے کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں، جس روز بھوکا رہوں نہایت عاجزی سے گریہ وزاری کروں اور جو کچھ مانگنا ہو تجھی سے مانگوں، اور جس روز کھنا کھاؤں تیرا شکر بجالاؤں اور تیری حمد وثناء کروں۔

وجہِ اختیاریِ فاقہ :

آنحضرتؐ نے خوشی سے جو فقر اختیار فرمایا اس کی وجہ بتلادی کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت تعلق لگا رہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ بھوک کی حالت میں نفس کسی چیز کی طرف خواہش نہیں کرتا، کل شہوتیں اور خواہشیں مضمحل ہوجاتی ہیں اور صرف پیٹ بھرنے کی فکر رہتی ہے، پھر جب معلوم ذرائع مسدود کردیے جائیں اور یہ یقین کامل ہو کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی حاجت روا نہیں تو نفس کو خاص قسم کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اور وہ تعلق پیدا ہوتا ہے جو کسی چیز سے نہ ہوسکے۔ بہر حال اختیاری فاقہ بڑی عجیب چیز ہے۔

شاہی ملازموں کو دیکھ لیجئے کہ جب ان کو یقین ہوتا ہے کہ اس قسم کی حاجت روائیاں اور کہیں نہیں ہوسکتیں تو ان کی توجہ کس قدر بادشاہ کی طرف ہوتی ہے، بات بات میں رضاجوئی کا خیال عتاب کی فکر اور خوشامد کی نئی نئی تدابیر سوچتے رہتے ہیں۔ غرضکہ بھوک وغیرہ مصائب وآلام میں خدائے تعالیٰ کو یاد کرنا مسلمانوں کے نفوس کا ذاتی مقتضیٰ ہے، برخلاف اس کے جب نفس آسودہ ہوتا ہے اور لذائذ دنیوی سے فرحت ہوتی ہے تو نشہ کی سی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے، پھر جس قدر فرحت زیادہ ہو اس کی بدمستی زیادہ ہوگی۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ امراء کی

کیسی حالت رہتی ہے؟ ان میں شاذ ونادر افراد ہوتے ہیں جو صرف فرائض کو پابندی سے ادا کرتے ہوں ورنہ اس کی بھی نوبت نہیں آتی۔ کیونکہ فرحت نفس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ خدا اور رسول سے غفلت ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یحب الفرحین یعنے فرحت والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فقر کو اختیار فرمایا اس سے ثابت ہے کہ وہ تقرب الی اللہ کا سبب قوی ہے۔

تونگری بھی بری نہیں :

مگر چونکہ ہر نفس میں یہ صلاحیت نہیں کہ فقر وفاقہ کو برداشت کرسکے، بلکہ بعض طبائع کا تو یہ حال ہے کہ فقر ان کو حد کفر تک پہونچا دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کاد الفقر أن یکون کفراً - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ بنائے گئے تھے اس لئے اسلام میں نہایت سہولت ہوئی اور تونگری بھی ہم پہلوے فقر ٹھہرائی گئی، اس شرط پر کہ دینی مقاصد میں کوتاہی نہ ہو، اسی وجہ سے ارشاد ہے کہ: "دنیا اچھا گھر ہے اس شخص کے لئے جو اس سے آخرت کا توشہ کرلے اور برا گھر ہے اس شخص کے لئے جس کو آخرت سے روک دے" - یہ روایت کنزالعمال کی کتاب الاخلاق میں مذکور ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ خواہ مسلمان کتنا ہی مال کیوں نہ حاصل کرے اگر اس سے آخرت کا سامان کرے تو وہ سعادت ہی سعادت ہے۔

پسندیدہ فقر :

یہ ضروری نہیں کہ سب مسلمان فقیر ہی ہوجائیں - ہرچند مسلمان کے لئے تونگری بھی کوئی بری چیز نہیں ، مگر جو معنوی خوبیاں فقر میں ہیں وہ تونگری میں کہاں ! اس لئے آپؐ اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر ہی کو پسند فرماتے تھے ، جیسا کہ شفاء میں بخاری اور مسلم سے نقل کیا ہے کہ حضرتؐ یہ دعا کیا کرتے تھے اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتاً یعنے اے اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آل کا رزق بقدر سد رمق مقرر فرما۔

کنزالعمال کی کتاب الاخلاق میں روایت ہے کہ ایک بار آں حضرتؐ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کلائی میں کسی قسم کا زیور دیکھا ناگوار طبع مبارک ہوا اور ان سے فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ کہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے ؟ پھر خادم سے فرمایا کہ فلاں قبیلہ میں وہ لے جاؤ ، اور ان کے لئے تانت کا قلادہ اور ہاتھی دانت کے کنگن لے آؤ - یہ روایت کتب صحاح اور مستدرک حاکم میں مروی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں نہ غلام تھا نہ لونڈی ، حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام گھر کے کل کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتیں یہاں تک کہ چکی پیسنے سے آپ کے دست مبارک میں چھالے پڑگئے تھے ،

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی غلام اور لونڈیاں آئیں ، علی رضی اللہ عنہ نے سیدہؓ کو رائے دی کہ آخر وہ سب تقسیم ہونے والے ہیں اگر ایک غلام یا لونڈی حضرتؐ سے مانگ لو تو کاموں میں سہولت ہوجائیگی ، چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرتؐ کے یہاں گئیں مگر بجائے اس کے کہ حضرتؐ لونڈی یا غلام عنایت کرتے یہ ارشاد فرمایا کہ : "اس سے بہتر میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ

ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت تسبیح و تہلیل و تحمید کیا کرو" - دیکھئے اوروں کے حق میں تو وہ فیاضیاں کہ کبھی لفظ "لا" زبان پر آتا ہی نہیں اگر کچھ پاس نہ ہوتا تو قرض لے لے کر حاجت مندوں کی حاجت روائیاں فرماتے ، اور خاص اپنی جگر گوشہ بتول علیہا السلام کے ساتھ یہ معاملہ کہ باوجود غلام اور لونڈیاں موجود ہونے کے یہ تدبیر بتائی جارہی ہے کہ خدا کو یاد کیا کرو !! اس میں کیا راز تھا ؟

اہلِ بیت میں خلافت نہ آنے کی وجہ :

ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ اہل بیت کرام مدارج اخروی میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کریں جس کا پہلا زینہ فقر اور ترکِ راحت دنیوی ہے ، یہی وجہ ہے کہ غیب سے ایسے مواقع پیش آتے گئے کہ اہل بیت کو خلافت نہ ملی ، اس لئے کہ تقدیر الٰہی میں یہ بات ٹھہر چکی تھی کہ خلافتِ نبوت تیس سال رہے گی اس کے بعد سلطنت قائم ہوجائے گی جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے : عن سفینۃ رضی اللّٰہ عنہ مولیٰ رسول اللہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول : الخلافۃ ثلاثون سنۃ ثم یکون مُلکاً - رواہ احمد و الترمذی و ابو داود کذافی المشکاۃ

اور چونکہ تیس سال تک خلافت نبوت کا باقی رہنا لازمی تھا اس لئے حضرت امام حسن علیہ السلام کو ابتداء میں اس کا خیال پیدا ہوا اور چھ مہینے تک آپ نے خلافت کی ، پھر جب اس چھ مہینے کے ختم پر تیس سال خلافت کے پورے ہوگئے تو یکایک آپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ملک کی لڑائی میں مسلمان ناحق قتل ہورہے ہیں

اور ساتھ ہی آپ نے معاویہؓ سے صلح کر لی اور خلافت سے دست بردار ہو گئے، ہر چند لوگ آپ کو اشتعال دیتے اور عار دلاتے رہے مگر آپ نے کچھ پروا نہ کی، چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ جب آپ خلافت سے علحدہ ہوئے تو آپ کے اصحاب نے نہایت گستاخی سے کہا **یا عار المؤمنین!** آپ نے فرمایا **العار خیر من النار** - کسی نے آکر کہا **السلام علیک یا مذل المؤمنین!** آپ نے فرمایا میں نے مسلمانوں کی ذلت کی غرض سے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس بات کو مکروہ سمجھا کہ تم لوگوں کو اقتدار کی لڑائی میں قتل کراؤں - تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب آپ بعد دست برداری کے کوفہ سے مدینہ منورہ کو جانے لگے تو کوفہ میں کہرام مچ گیا، کسی نے پوچھا حضرت اس امر پر آپ کو کس چیز نے مجبور کیا؟ فرمایا پہلے تو دنیا سے مجھے کراہت ہوئی، دوسرے اہل کوفہ کی بے وفائی دیکھو میرے والد بزرگوار پر انھوں نے کیسی کیسی مصیبتیں ڈھائیں - پھر جب آپ کوفہ سے نکلے تو ایک شخص نے سامنے آکر کہا **یا مسوّد وجوہ المسلمین!** یعنے اے مسلمانوں کے منہ کالے کرنے والے! آپ نے فرمایا مجھ پر ملامت نہ کر اس کا اصل سبب کچھ اور ہی ہے جس کو تم نہیں جانتے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنی امیہ آپؐ کے منبر شریف پر یکے بعد دیگرے بندروں کی طرح اچھل کود رہے ہیں اس پر آپ کو سورہ **انا اعطیناک الکوثر** سے خوش خبری دی گئی کہ جنت میں ایک نہر آپؐ کو دی گئی ہے جس کا نام کوثر ہے (مقصود یہ کہ آپ کے فیضان سے تمام اہل جنت ابدالآباد سیراب رہیں گے) اور **سورۃ انا انزلناہ** بھی اسی موقع میں نازل ہوئی جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی آپ کو دی گئی ہے کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جانتے ہو وہ ہزار مہینے کون سے ہیں یہی

بنی امیہ کی خلافت کے ہیں، تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ یہ روایت جامع ترمذی میں موجود ہے اور قاسم بن فضل جو اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شمار کیا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی، اور لکھا ہے کہ یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی ہے - اور خصائص کبریٰ صفحہ (۱۱۹) میں بیہقی سے یہ روایت منقول ہے کہ جب آپ کو بنی امیہ کا منبر شریف پر کودنا ناگوار ہوا تو حق تعالیٰ نے آپ پر وحی کی **انما ھی دنیا اُعطوھا فقرت عینہ** یعنے بنو امیہ کو جو دی گئی وہ صرف دنیا ہے اس سے حضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں -

غرضکہ تقدیر الٰہی میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ سلطنت جس کو "ام الدنیا" کہنا چاہیئے بنی امیہ کے گلے ڈالی جائے اور اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدارج اخروی مختص ہوں - اور ان دونوں کا فرق قرآن شریف میں حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے بیان فرما دیا **متاع الدنیا قلیل و الآخرۃ خیر و ابقیٰ** یعنے دنیا کی پونجی تھوڑی ہے اور آخرت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے - چونکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو یقین تھا کہ اہل بیت میں خلافت ہرگز نہ آئے گی اس لئے انتقال کے وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کو جو وصیت کی اس میں یہ بھی فرما دیا کہ:

"خدا کی قسم میں ہرگز خیال نہیں کرتا کہ ہم لوگوں میں خدائے تعالیٰ نبوت اور خلافت جمع کرے گا، دیکھو کہیں تم سفہائے کوفہ کے دام میں نہ آجانا" - دیکھئے آپ کو خلافت کے نہ ملنے کا کیسا یقین تھا کہ اس پر آپ نے قسم کھالی! اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا، اس لئے کہ عقل یہ ہرگز قبول نہیں کرتی کہ حق تعالیٰ ان حضرات کو خاص فضیلت دے کر پھر ایک ایسے کام کا مرتکب کرائے جس کو خود مکروہ جانتا ہو

خصائص کبریٰ میں امام سیوطیؒ نے یہ روایت لکھی ہے **اخرج البیہقی**

و ابو نعیم عن ابی عبیدۃ بن الجراح و معاذ بن جبل عن النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم قال : ان ھذا الامر بدأ بنبوۃ و رحمۃ ثم یکون خلافۃ و رحمۃ ثم یکون ملکاً عضو ضاً یعنے "فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس امر کی ابتدا، نبوت اور رحمت سے ہوئی ، اس کے بعد خلافت اور رحمت ہوگی ، اس کے بعد کاٹ کھانے والی مملکت و بادشاہت قائم ہوجائے گی"۔

ابھی معلوم ہوا کہ خلافتِ نبوت کی مدت صرف تیس سال کی تھی ، اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اس کے، بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت بن جائے گی ، یعنے ملوک و سلاطین کی یہ صفت ہوگی ۔ تو اب کہئے کہ ان حضرات کو اگر خلافت ملتی تو وہ خلافت نبوت تو نہیں ہو سکتی تھی اس لئے کہ اُس کی مدت ختم ہوچکی تھی ، تو اب ان حضرات پر اس صفت کے صادق آنے کی ضرورت ہوتی حالانکہ عنداللہ وعندالناس وہ صفت مکروہ و مبغوض ہے!!

غرضکہ حضرت امام حسن علیہ السلام مشیت کے بھید کو سمجھ گئے تھے اس وجہ سے آپ نے دنیا پر لات مار دی ۔ اور امام حسین علیہ السلام بھی گو سمجھے ہوئے تھے مگر مشیت الہی میں تو یہ تھا کہ علاوہ مراتبِ فقروترک دنیا کے مظلومیت و شہادت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج اخروی بھی حاصل ہوں ، اس لئے اس کی تمہید امام حسن علیہ السلام کی شہادت ہی کے بعد پڑی ۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ سے اہل کوفہ نے امام حسین علیہ السلام سے خط و کتابت شروع کر دی تھی کہ آپ علی کرم اللہ وجہہ کے جانشین ہوجائیں ، مگر آپ ٹالتے رہے پھر جب امیر یزید بادشاہ ہوا تو اس کی بداطواریاں دیکھ کر آپ کو کسی قدر خیال پیدا ہوا ، چنانچہ کبھی کوفہ کو جانا پسند فرماتے اور کبھی نہ جانا ، آخر مشیت نے جانے ہی کی

رائے کو مستحکم کیا ، ہرچند صحابہؓ مانع ہوتے تھے اور ابن عمرؓ نے تو صاف کہدیا کہ آپ ہرگز یہاں سے نہ نکلیں کیونکہ خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں دنیا اختیار فرمائیں چاہیں آخرت اور آپؐ نے آخرت کو اختیار فرمایا ، چونکہ آپ بھی حضرتؐ ہی کے جزو ہیں اس وجہ سے آپ ہرگز دنیا حاصل نہیں کرسکتے !! مگر مشیت کب ٹل سکتی تھی ؟ آپ نے کسی کی نہ مانی ، آخر ہوا وہی کہ بجائے ترقی دنیوی ، ترقی اخروی کے جتنے مدارج تھے سب آپ سے طے کرائے گئے اور بجائے سلطنت کے سیادت اخروی عطا کی گئی ۔

حسین رضی اللہ عنہ کی نعش کی بے حرمتی

ہرچند کہ ظاہر بینوں کی نظروں میں آپ کی ذلت محسوس ہوئی ، مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں وہ اس کمال ذلت کو کمال درجہ کی عزت مشاہدہ کرتے تھے ، جس طرح حدیث شریف میں ہے لخلوف فم الصائم أطیب عند اللّٰہ من ریح المسک یعنے "روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے" ۔ یعنے بظاہر خراب اور درحقیقت عمدہ ، اسی طرح ان حضرات کی دنیوی ذلت خدائے تعالیٰ کے نزدیک کمال درجہ کی اخروی عزت ہے ۔ مستدرک حاکم میں روایت ہے : عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم مر بحمزۃ یوم اُحد و قد جدع و مثل بہ فقال لو لا ان صفیۃ تجد لترکتہ حتے یحشرہ اللّٰہ من بطون الطیر و السباع فکفنہ فی نمرۃ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے دن حمزہ رضی اللہ عنہ پر گزرے اور دیکھا کہ ان کے ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ ڈالے گئے ہیں ، فرمایا اگر ان کی بہن صفیہ رضی اللہ عنہا کے غم کا خیال نہ ہوتا تو ان کو میں اسی حالت پر چھوڑ دیتا تاکہ پرندے اور

درندے کھالیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں میں سے قیامت کے روز ان کا حشر کرائے۔ اس کے بعد ایک کمبل میں لپیٹ کر انھیں دفن فرمادیا

دیکھئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو وہ فضیلت حاصل تھی کہ تمام شہداء کے آپ سردار بنائے گئے، جیسا کہ مستدرک حاکم میں روایت ہے **عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب** باوجود اس کے ان کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال تھا کہ ان کی لاش بے حرمتی سے اسی طرح ڈالدی جائے تاکہ ذلت کمال درجہ کو پہونچ جائے اور رفعتِ مدارجِ اخروی میں سے کوئی درجہ باقی رہنے نہ پائے مگر ان کی بہن صفیہؓ کے غم کے خیال سے اس قصد کو آپ نے ترک فرمادیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ سید الشہداء کے وقت ایک بات فرد گذاشت ہوگئی تھی، مگر حضرت امام حسینؓ کے مدارج میں منجانب اللہ اس کی بھی تکمیل ہوگئی۔ چنانچہ تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ زحر بن قیس جو واقعہ کربلا میں یزید کے لشکر میں شریک تھا جب یزید کو فتح کی خوش خبری سنانے آیا تو منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا چنانچہ اس کا قول ہے **فهاتيك اجساد مجردة و ثيابهم مرملة و خدودهم معفرة تصهرهم الشمس و تسفى عليهم الريح و زوّارهم العقيان و الرخم بقاع سبسب** یعنے: "شہداء کربلا کے اجساد برہنہ، ان کے کپڑے خون میں لت پت، اور ان کے رخسار خاک آلود تھے، اور دھوپ ان کے جسموں کو پگھلا رہی تھی اور ہوائیں ان پر خاک ڈال رہی تھیں، ان کے زیارت کرنے والے مردار خوار گدھ اور کوے تھے، اور ایسے چٹیل میدان میں وہ پڑے ہوئے تھے جو آبادیوں سے کوسوں دور تھا"۔ غرضکہ اس باب میں سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ سے بھی آپؓ بڑھے رہے۔

مدارجِ حسینؓ:

اس موقعہ پر محبان اہل بیت علیہم السلام کی عجیب حالت ہے، جب شہادت کے واقعہ پر ان کی نظر پڑتی ہے تو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ ان حضراتؓ کی ایک ایک ساعت جو بے کسی اور بے بسی کی حالت میں ان پر گزری ہے اگر عمر بھر اس پر ماتم کیا جائے تو تھوڑا ہے، اور جب نظر شہادت کے واقعہ سے آگے بڑھتی ہے اور ان مدارج پر نظر پڑتی ہے جو **لا عين رأت و لا اذن سمعت و لا خطر على قلب بشر** کے مصداق ہیں تو فرحت بھی ایسی ہوتی ہے کہ جس کا حساب نہیں۔ یہ بات قابل تسلیم ہے کہ کسی کا دوست سفر کرے اور راستہ میں اس کو بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہو تو اس کے دوست کو ان مصائب کے سننے سے سخت صدمہ ہوگا پھر اگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجائے کہ وہ ان صدمات کے بعد کہیں کا بادشاہ ہوگیا اور نہایت عیش و عشرت میں ہے تو وہ صدمہ ایک بڑی طمانیت و فرحت میں مبدل ہوجائے گا۔

بخاری، نسائی اور ترمذی وغیرہ سے "السیرۃ المحمدیہ" میں مولانا کرامت العلی صاحب مرحوم نے نقل کیا ہے کہ حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ جب بدر میں شہید ہوئے تو ان کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مجھ کو اپنے لڑکے کے ساتھ کیسی محبت تھی اب میں آپ سے پوچھتی ہوں کہ وہ جنت میں پہونچ گیا ہے یا نہیں؟ اگر پہونچ گیا ہے تو میں صبر کرلونگی ورنہ آپ دیکھ لوگے کہ میں اس کے غم میں کیا کیا کروں گی! آں حضرتؐ نے فرمایا اے حارثہ کی ماں جنتیں کئی ہیں ایک نہیں ہے، اور تمہارا فرزند فردوس اعلیٰ میں ہے۔ یہ سن کر وہ ثابت قدم مردانہ خاتون نے کہا: اب میں

صبر کرتی ہوں ۔ کیوں نہ ہو جب کسی دوست کے جنت میں جانے کا یقین کامل طور سپر ہوجائے تو مسلمان کو اس سے زیادہ کسی چیز پر خوشی نہیں ہو سکتی ، کیونکہ سوائے جنت کے کوئی ایسا مقام نہیں جہاں ابدالآباد ہر قسم کی نعمتوں کا مجموعہ ہو ، جب عموماً اہل جنت کا یہ حال ہو تو حضرت سید شباب اهل الجنة کی نعمتوں کا کیا ٹھکانہ !! اس موقعہ پر محبان اہل بیت علیہم السلام حالتِ موجودہ کے لحاظ سے جس قدر افتخار اور خوشی کریں تھوڑی ہے اس لئے کہ ہمارے ولی نعمت فائز المرام اور عمر تمام کی کوششوں میں پورے طور پر کامیاب ہوئے ۔

اس وقت طرفداران یزید یعنے خوارج جو عاشورہ کے روز خوشی کرتے ہیں کہ یزید کو فتح ہوئی اور اہل بیت کرام ذلیل ہوئے ، تو ہم ان سے کہیں گے کہ خوشی کا زمانہ گزر گیا اب حالت موجودہ کے لحاظ سے اس پر عمر بھر نوحہ اور ماتم کرنا چاہیئے کہ معلوم نہیں ملعون کس قعر مذلت میں پڑا ہوا ہے اور اس عالم میں اس پر کیا کیا گزر رہی ہے ؟ یہ مقولہ بالکل صحیح اور مطابق عقل ہے کہ الماضی لا یذکر و الحال یعتبر-

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور نہ تھا کہ سلطنت اہل بیت کرام میں رہے ، اس لئے کہ وہ زمانہ بحسبِ علمِ الٰہی و تقدیر ازلی خلافت نبوت کا نہ تھا بلکہ اذیت رساں سلطنت کا تھا جس کا لازمہ ترفہ ہے ، اور حضرتؐ کو منظور نہ تھا کہ اہل بیت کرام دنیا میں مرفه الحال رہیں ۔ اسی وجہ سے آپ دعاء فرمایا کرتے تھے کہ " میرے آل کا رزق کفاف اور قوت بقدر سد رمق ہو " تاکہ دولت فقر و فاقہ باعث ترقی مدارج اخروی ہو ، جو پائدار اور ابدالآباد باقی رہنے والے ہیں ۔

اکابر صحابہؓ نے فقر اختیار کیا :

الحاصل جب بعض اکابر صحابہؓ نے دیکھا کہ آں حضرتؐ اپنی ذات اور اپنے خاص اہل بیت کرام کے لئے فقر کو پسند فرماتے ہیں تو انھوں نے بھی فقر ہی کو اختیار کیے اور اس باب میں بھی پوری اتباع کی ۔ چنانچہ کنزالعمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک روز میں بصرہ کی مسجد میں گیا ، دیکھا کہ صحابہؓ کا مجمع ہے اور ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زہد کا ذکر ہو رہا ہے ، میں بیٹھ گیا ، احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ : ایک بار عمر رضی عنہ نے عراق کی طرف ایک لشکر روانہ کیا جس میں میں بھی تھا جب عراق اور ملک فارس کے کئی شہر اور ملک خراسان فتح ہوا اور ہم واپس آئے تو وہاں کے عمدہ لباس جو ہم ساتھ لائے تھے پہن کر عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، انہوں نے ہمیں دیکھ کر منہ پھیر لیا ، سب صحابہؓ پر امیر المؤمنین کا یہ رویہ اور یہ سلوک نہایت شاق گزرا ، اور ان کے فرزند عبداللہ بن عمر کے پاس گئے اور ان کی اس بے التفاتی کا حال بیان کیا ، انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں پر امیر المؤمنین نے اس قسم کا لباس دیکھا جو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پہنا تھا نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس لئے بے التفاتی کی ہوگی ! ہمارے خیال میں بھی یہ بات آگئی اور اپنے گھر گئے اور اپنا ! قدیم لباس پہن کر پھر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے ، ہمیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک شخص کو سلام کر کے معانقہ کیا ، اس وقت یہ معلوم ہو رہا تھا کہ گویا انھوں نے ہمیں پہلے دیکھا ہی نہ تھا ، پھر ہم نے غنیمتیں جو عراق وغیرہ سے لائے تھے پیش کیں تو حضرت عمرؓ نے اسی وقت سب میں علیٰ السویہ تقسیم کر دیں ، پھر ہم نے وہاں کی غذائیں پیش

کل تقریر کر کے درخواست کی کہ عمر رضی اللہ عنہ سے اس باب میں گفتگو کریں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبول کیا مگر حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے امید نہیں کہ وہ قبول کریں گے۔ بہر حال دونوں ام المؤمنین، امیر المؤمنین کے گھر تشریف لے گئیں انھوں نے نہایت اکرام سے ان کو بٹھایا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: امیر المؤمنین کیا آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو گے؟ کہا یا ام المؤمنین فرمائیے! انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت اور رضائے الٰہی کی طرف اس حالت میں گئے کہ نہ دنیا کا انھوں نے ارادہ کیا نہ دنیا ان کے پاس آئی، اسی طرح ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی حضرتؐ کے پیچھے سدھارے اور خدائے تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو ملادیا ان کا بھی یہی حال رہا کہ نہ دنیا کا ارادہ انھوں نے کیا نہ دنیا ان کے پاس آئی، اب خدائے تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر کسریٰ و قیصر کے خزانے اور ان کے ملک فتح کرائے اور ان کے اموال آپ کے روبرو لائے گئے اور مشرق و مغرب کے لوگ آپ کے زیر دست ہوئے، ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ دے اور اسلام کی تائید آپ سے کرائے، اب آپ کے پاس عجم کے ایلچی اور عرب کے وفود آئیں گے جب آپ کا یہ جبہ دیکھیں گے جس میں بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا کہیں گے؟! مناسب یہ ہے کہ آپ اس کو بدل کر کوئی مناسب عمدہ لباس پہنیں جس سے ان کی نظروں میں آپ کی وقعت ہو، اور صبح و شام آپ مہاجرین و انصار کو ساتھ لے کر عمدہ عمدہ غذائیں کھائیں۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ زار زار رونے لگے اور کہا آپکو میں خدا کی قسم دیتا ہوں آپ سچ سچ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال تک کبھی گیہوں کی روٹی سیر ہو کر دس روز یا پانچ روز یا تین روز متواتر کھائی تھی؟ یا انتقال تک کسی روز صبح بھی کھایا

گیں ان کو چکھ کر فرمایا اے گروہ مہاجرین و انصار! یہ خوش ذائقہ اور خوشبودار غذائیں وہ ہیں جن کی وجہ سے تمہارے بیٹے اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو قتل کرینگے! یہ کہہ کر وہ کھانے ان لوگوں کی اولاد کے یہاں بھیج دیے جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو شہید ہوئے تھے اور برخواست کر کے چلے گئے۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ اٹھے اور باہم گفتگو ہوئی کہ عمرؓ کے ہاتھ پر قیصر و کسریٰ کے ملک اور مشرق و مغرب کے بلاد مفتوح ہوئے اب عرب و عجم کے وفود ان کے پاس آئیں گے جب امیر المؤمنین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ ایک فرتوت جبہ پہنے ہوئے ہیں جس پر بارہ پیوند لگے ہیں تو کیا خیال کریں گے؟ حالتِ موجودہ کے لحاظ سے ضروری ہے کہ کبار صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہادوں میں حاضر تھے اور مہاجرین و انصار سے کہہ سن کر یہ جبہ بدلوائیں اور ایسا لطیف لباس پہنائیں کہ دیکھنے سے لوگوں پر رعبِ خلافت طاری ہو، اور نیز یہ درخواست بھی کریں کہ صبح و شام مہاجرین کے ساتھ عمدہ عمدہ غذائیں کھایا کریں۔ سب نے کہا کہ یہ کام سوائے علی کرم اللہ وجہہ کے اور کسی سے نہ ہو گا، وہ امیر المؤمنین کے خسر ہیں جرأت سے کہہ سکتے ہیں، یا حضرت عمرؓ کی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا جائے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں حضرتؐ کے خیال سے ان کی بات مان لیں گے! غرض کہ یہ رائے قرار پائی کہ پہلے علی کرم اللہ وجہہ کے پاس جائیں، چنانچہ سب ان کے پاس گئے اور وہ کل تقریر کی، انھوں نے فرمایا یہ کام میں نہ کروں گا، ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو تو البتہ وہ جرأت کر سکتی ہیں کیونکہ وہ امہات المؤمنین ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے خدمت میں حاضر ہوئے جو اتفاق سے ایک ہی مکان میں تھیں اور وہ

اور شام بھی ؟ فرمایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ پھر پوچھا کہ آپ جانتی ہو کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے کھانے کے لئے کبھی چوکی رکھی جاتی یا آپؐ زمین پر ہی رکھ کر تناول فرماتے ؟ پھر دونوں بیویوںؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا آپ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ازواج اور امہات المؤمنین ہو اور آپ کا حق تمام مسلمانوں پر ہے خصوصاً مجھ پر لیکن آپ میرے یہاں اس غرض سے تشریف لائی ہیں کہ مجھے دنیا کی رغبت دلائیں! میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوف کا جبہ پہنتے تھے جو اتنا سخت و درشت ہوتا تھا کہ اکثر جسم مبارک اس کی خشونت سے چھلا جاتا کیا آپ یہ بھی جانتی ہو ؟ کہا سچ ہے! پھر کہا کیا آپ نہیں جانتیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں ٹاٹ پر آرام فرماتے تھے جو دن کو فرش ہوتا اور رات کو بستر اور بارہا میں نے دیکھا ہے کہ بوریے کا اثر جسم مبارک پر رہتا تھا! اور اے حفصہؓ تم ہی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک رات تم نے ٹاٹ کو دوہرا کر کے بچھا دیا جس کی نرمی سے حضرتؐ کی آنکھ لگ گئی اور بلال کی اذاں سے بیدار ہوئے اور فرمایا "اے حفصہ تم نے یہ کیا کیا دوہرے ٹاٹ پر سونے سے صبح تک مجھ پر نیند کا غلبہ رہا مجھے دنیا سے اور دنیا کو مجھ سے کیا تعلق"! اے حفصہؓ کیا تم نہیں جانتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف کر دیے گئے تھے باوجود اس کے آپؐ دن بھر بھوکے رہتے اور اکثر اسی حالت میں سوتے اور رکوع و سجود اور گریہ و زاری اور خشوع میں دن رات گزارتے یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت اور رضوان میں آپ کو بلالیا، اور یہی حال ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا، اب عمر نہ عمدہ غذائیں کھائے گا نہ نرم لباس پہنے گا، اس کو اپنے دونوں صاحبوں کی اقتدا کرنی ہے اور نہ کبھی وہ دو سالن کھا سکتا ہے سوائے نمک اور تیل کے، اور نہ ہر مہینے میں

سوائے ایک بار کے گوشت کھائے گا یہاں تک کہ اس کی عمر پوری ہو جائے۔ یہ سن کر دونوں ام المؤمنین تشریف لے گئیں اور جو کچھ سنا تھا سب صحابہؓ سے کہہ دیا، پھر جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا انتقال تک ان کی وہی حالت رہی۔

دیکھئے پوری اتباع اسے کہتے ہیں کہ تقریباً کُل صحابہ اور امہات المؤمنین ایک طرف ہیں اور بحسبِ مصلحتِ وقت بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ : حضرت لباس اچھا پہنئے اور کھانے اچھے کھائیے جس سے نفس کا بھی حق ادا ہو اور شوکتِ اسلام بھی نمایاں ہو اور دوسروں کی نظروں میں بادشاہ اسلام کی وقعت زیادہ ہو! گو یہ سب مقتضائے عقل تھا مگر عمر رضی اللہ عنہ نے (جو اس وقت صحابہ میں افضل مانے جاتے تھے اور عقل و فراست میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی) کسی کی نہ مانی اور صرف اتباع نبویؐ کے لحاظ سے فقر و فاقہ ہی میں عمر بسر کی۔ یہ ہے حال ان کا جو سب سے زیادہ دینی عقل و فراست رکھتے تھے۔

فقر و زہد علی کرم اللہ وجہہ :

اب علی کرم اللہ وجہہ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے! کنزالعمال کی کتاب فضائل میں یہ روایت ہے کہ ارقم کہتے ہیں کہ میں نے رحبہ۔ کوفہ میں دیکھا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک میں تلوار ہے اور فرما رہے ہیں کہ : اس تلوار کو کوئی خرید کرنے والا ہے ؟ اور قسم کھا کر فرماتے تھے کہ : "اس تلوار سے میں نے کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کفار سے میدان خالی کرا لیا اگر میرے پاس تہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو ہرگز نہ بیچتا"۔ اس سے مترشح ہے کہ آپ کے پاس صرف ایک تہ بند تھا اور وہ بھی پرانا، اگر دوسرا ہوتا تو اس انمول اور

متبرک تلوار کو بیچنے کا ارادہ ہرگز نہ فرماتے ۔ پھر یہ بھی نہیں کہ کوئی بیش قیمت تہبند آپ کو مطلوب تھا، اس لئے کہ کنزالعمال ہی میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے آپ کے تہ بند کو دیکھا کہ نہایت موٹا ہے اور خود آپ نے اپنی زبان سے فرمایا کہ پانچ درہم کو اسے میں نے خریدا ہے ۔ دیکھئے پانچ درہم کوئی بڑی چیز نہیں ایک روپیہ کے اندازہ میں ہوتے ہیں، مگر ایک عرصہ تک آرزو رہی کہ کسی جائز طریقہ سے ملیں تو ستر عورت کے لئے اس سے تہ بند خریدیں مگر نہ ملے یہاں تک کہ اس بے نظیر تاریخی تلوار کو بیچنے کی ضرورت درپیش ہوگئی ۔
یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ شاید یہ حالت آپ کی خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں ہوگی جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ اس درجہ آپ کو ان لوگوں نے تنگ کر رکھا تھا، مگر یہ خود آپ کی عین خلافت کا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ کوفہ کا ہے جس کو آپ ہی نے دارالخلافہ بنایا تھا آپ سے پہلے خلفاء مدینہ طیبہ میں مقیم رہے ۔

غرضکہ اس قسم کے واقعات سے جو بہ کثرت سیر و تواریخ میں مذکور ہیں اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان حضرات کو خلافت سے نہ آسایش مقصود تھی نہ نام آوری، بلکہ جہاں اور اختیاری مصیبتیں تھیں ایک یہ بھی تھی جس میں محض عبادت سمجھ کر خدمتِ اسلام کی غرض سے اپنی جان کو ڈال رکھا تھا ۔ چنانچہ کنزالعمال میں کئی کتابوں سے یہ روایت منقول ہے کہ ابی مطر کہتے ہیں کہ میں ایک بار مسجد سے نکل کر جا رہا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی کہ تہ بند اٹھاؤ! میں نے مڑ کر دیکھا تو علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور آپ کے دست مبارک میں کوڑا ہے میں آپ کے ساتھ ہولیا، پہلے اونٹوں کے بازار میں تشریف لے گئے اور تاجروں سے فرمایا کہ بیچو مگر قسم مت کھاؤ کہ اس سے چیز بک تو جاتی ہے مگر برکت جاتی رہتی ہے ۔ وہاں سے

کھجور بیچنے والے کے دوکان پر تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک غلام رو رہا ہے، اس سے حال دریافت کیا، اس نے کہا کہ ایک درہم کے کھجور اس سے میں نے خریدے مگر میرے مالک نے واپس کیا اور یہ نہیں لیتا! آپؑ نے اس سے واپس لینے کو فرمایا مگر اس نے تامل کیا، میں نے کہا تو جانتا نہیں یہ کون ہیں؟ یہ علی امیر المؤمنین ہیں! اس نے کھجور لے کر درہم دے دیا، پھر دوسرے خرمافروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ مسکینوں کو کھلاؤ گے تو تمہارے کسب و کمائی میں برکت ہوگی! پھر مچھلی بیچنے والوں کی دوکانوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ہمارے بازار میں "طافی" یعنے وہ مچھلی جو خود سے مر کر پانی کے اوپر آجاتی ہے نہ بیچنا! پھر پارچہ فروشوں کی دوکانوں پر گئے اور فرمایا کہ تین درہم کا ایک قمیص ہمیں دو، مگر جب دیکھا کہ دوکاندار آپ کو پہچانتا ہے تو اس سے نہیں خریدا اور دوسری دوکان پر تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ بھی پہچانتا ہے تو اس سے بھی نہ لیا، پھر ایک نوجوان لڑکے کی دوکان پر گئے جو آپ کو پہچانتا نہ تھا اور تین درہم کا ایک قمیص خریدا، جب اس کا والد دوکان پر آیا تو کسی نے اس کو خبر دی کہ تمہارے لڑکے نے امیرالمؤمنین کے ہاتھ ایک قمیص تین درہم کو بیچی ہے، اس نے خفا ہو کر کہا کہ امیرالمؤمنین سے ایک درہم زیادہ کیوں لیا؟ اور ایک درہم لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ درہم واپس لیجئے، فرمایا کیا وجہ؟ کہا اس قمیص کی قیمت دو درہم ہے، فرمایا بیع و شرا تراضیِ طرفین سے ہوگئی اب اس کی ضرورت نہیں ۔ یہی روایت ملا محمد باقر مجلسی نے بھی بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار کی نویں جلد میں نقل کی ہے ۔

کنزالعمال میں مروی ہے کہ زاذان کہتے ہیں کہ علی کرم اللہ وجہہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بازاروں میں گھوم پھر کر راستہ بھولے ہوؤں کو راستہ بتلاتے، کسی

کی چیز گم ہوئی ہوتی تو اس کی تلاش کرتے ، ضعیفوں کی مدد کرتے ، بقالوں اور عموماً دوکانداروں کے پاس جاکر ان کو قرآن سنایا کرتے تھے ۔

نیز بحار الانوار فی فضائل سید الاخیار جو حضرات شیعہ کی معتبر کتاب ہے اس میں منقول ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان رکھا گیا جس میں فالودہ تھا ، آپ نے انگلی سے اسے چکھا اور فرمایا " طیب ، طیب " یعنے مکرر فرمایا کہ یہ اچھا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ : وہ حرام نہیں ہے لیکن میں جن چیزوں کا عادی نہیں ہوں ان کی عادت کرنا نہیں چاہتا ، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں کھایا اس لئے ایسی چیز کھانے کو میں مکروہ سمجھتا ہوں " ۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ابو جندب کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک بار سوکھی روٹی کھارہے تھے اور درشت لباس آپ کے جسم مبارک پر تھا میں نے اس باب میں کچھ عرض کیا ، فرمایا " اے ابو جندب ! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سوکھی روٹی کھاتے اور اس سے زیادہ خشن لباس پہنتے تھے ، اگر میں ایسا نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ ملاقات تک نہ کرسکوں " ۔

اور یہ روایت بھی اسی میں ہے کہ قبیصہ ابن جابر کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو علی کرم اللہ وجہہ سے زہد اور دنیا کی بے رغبتی میں بڑھا ہوا ہو ۔ اور نیز یہ روایت بھی اسی میں ہے کہ ضرار ابن حمزہ کہتے ہیں کہ ایک رات آپ بہت بیقرار تھے اور دنیا کی طرف خطاب کرکے فرمارہے تھے هیهات غری غیری لا حاجة لی فیک قد طلقتک ثلاثا لا رجعة فیها یعنے : " اے دنیا ! تو کسی اور کو فریب دے مجھے تیری قطعاً ضرورت نہیں ، تجھے تین طلاق

دے چکا ہوں جن سے پھر رجعت نہیں ہوسکتی " ۔

اور اسی میں کشف سے نقل کیا ہے کہ عنترہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں گیا دیکھا کہ پرانی چادر اوڑھے ہوئے کانپ رہے ہیں ، میں نے عرض کی یا امیرالمؤمنین ! حق تعالیٰ نے آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے لئے بھی اس مال میں عام حق مقرر فرمایا ہے اور آپ کی یہ حالت ہے کہ اپنے نفس پر اس قدر سختیاں ڈھارہے ہیں کہ دیکھی نہیں جاتیں ! فرمایا : " میں تمہارے اموال میں سے کچھ لینا نہیں چاہتا ، یہ چادر وہ ہے جس کو مدینہ سے لے کر میں نکلا تھا اس کے سوا میرے پاس کوئی دوسری چادر نہیں " ۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے روبرو خوان لایا گیا جو سربمہر تھا ، کسی نے کہا حضرت خوان کو سربمہر کرنا تو بخیلوں کا کام ہے ! حضرت نے تبسم فرمایا ، جب وہ کھولا گیا تو اس میں تھوڑا سا ستو تھا اس وقت آپ نے فرمایا : " میں یہ احتیاط اس لئے کرتا ہوں کہ کہیں ایسی چیز کھانے میں نہ آجائے جو مشتبہ ہو " ۔ دیکھئے ستو جو غذاؤں میں بالکل بے قدر چیز ہے اُس کا اِس قدر قابل قدر اور عزیز ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ آپ بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے ، جیسا کہ روایات سابقہ سے ظاہر ہے ۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے و اللہ لدنیاکم هذه اهون فی عینی من عراق خنزیر فی ید مجذوم یعنے : " خدا کی قسم یہ جو تمہاری دنیا ہے میری آنکھوں میں اس سے بھی زیادہ خوار و ذلیل ہے جو خنزیر کی اوجھڑی کسی جذامی کے ہاتھ میں ہو " ۔ دیکھئے اول اوجھڑی اس پر خنزیر کی اور وہ بھی جذامی کے ہاتھ میں کس قدر مکروہِ طبع ہوگی !! یہ آپ نے صدقِ

دل سے فرمایا، تقیہ کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ ایک وسیع سلطنت کے انتظامات کو بذات خود انجام دینا وہ بھی اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں ایسی بات وقوع میں نہ آجائے جو باعثِ عتاب الٰہی ہو، اور اس پر باغیوں کا مقابلہ اور جنگ کی تیاریاں جس سے کبھی فرصت ہی نہ ملی کوئی آسان بات نہیں۔ پھر علاوہ اس کے کوفہ جیسے غدار شہر میں بازار بازار اور دوکان دوکان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے گھومنا پھرنا، اور ان کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنانا، اور راہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا، اور ضعیفوں کی مدد کرنا، پھر اتنے کاموں کے بعد اپنے ذاتی کسب سے حلال روزی طلب کرنا کیا ہر کسی سے یہ ہونے کے کام ہیں؟!

خلافت کی خواہش کوئی عاقل نہیں کر سکتا :

اب یہاں عقلاء کو تھوڑی سی توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ جس خلافتِ نبوت کا یہ حال ہو کہ نہ کھانے کو پیٹ بھر روٹی ملے، نہ پہننے کو کپڑا، اور اس پر لوگوں کے کاموں کی کثرت اس قدر کہ اپنے ذاتی کسبِ معاش کے لئے فرصت ملنی دشوار، پھر ہر وقت یہ خوف لگا ہوا ہو کہ مبادا کسی کام میں غفلت ہو تو عتاب الٰہی ہوجائے کیا ایسی خلافت اس قابل ہو سکتی ہے کہ آدمی شوق سے اس کو قبول کر سکے!؟ میری رائے میں تو ایسی خلافت قبول کرنے کے لئے بہت کچھ نذرانہ بھی پیش کیا جائے تو کوئی عاقل اور سمجھدار اس کو قبول نہ کرے گا۔ مگر چونکہ وہ صرف عبادت ہی عبادت تھی اس لئے ان حضرات نے اس کو قبول کیا تھا۔

باتفاق شیعہ و سنی ابوبکرؓ عمرؓ اور علیؓ اورع تھے

بحار الانوار کی جلد نہم صفحہ (۵۰۰) میں علامہ مجلسی مذکور نے بتصریح لکھا ہے کہ صحابہ میں زہد وورع کے ساتھ معروف یہ حضرات : علیؓ، ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابوذرؓ، سلمانؓ، عمارؓ، مقدادؓ اور عثمان بن مظعونؓ تھے۔ ایسے حضرات جن کے ورع کے شیعہ اور سنی دونوں قائل ہیں ان کے تعلق سے کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ خواہش نفسانی نے ان کو خلافت پر آمادہ کیا تھا؟

غرضکہ وہ خلافت ایسی نہ تھی جیسی کہ فی زماننا سمجھی گئی ہے کہ جب کسی شیخ طریقت کا انتقال ہوگیا تو ان کا فرزند یا پوتا یا نواسہ مستحق خلافت ہوگیا، اور فاتحہ سیوم کے روز سب مریدوں نے جمع ہوکر "مستحق" کو خلیفہ اور صاحبِ سجادہ بنادیا اگر وہ خلافت بھی اسی قسم کی ہوتی تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنا خلیفہ مقرر فرماتے! اور اگر حضرتؐ نے نہیں بھی فرمایا تو سب مسلمان بلحاظ جزئیت ان ہی کو خلیفہ قرار دیتے، اور تو اور خود علی کرم اللہ وجہہ کی بھی نوبت نہ آتی۔ برخلاف اس کے وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔

حاکم نے مستدرک (علی الشیخین: بخاری ومسلم) میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپکے بعد ہم کس کو امیر بنائیں؟ فرمایا: "اگر ابوبکرؓ کو بناؤ گے تو ان کو ہادی اور امین اور دنیا سے بے تعلق اور آخرت کے راغب پاؤ گے، اور اگر عمرؓ کو بناؤ گے تو ان کو قوی وامین اور ایسا شخص پاؤ گے کہ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا ان کو خوف نہیں، اور اگر علیؓ کو بناؤ گے تو ان کو ہادی ومہدی پاؤ گے جو تمہیں سیدھی راہ پر لے چلے، اور میں نہیں خیال کرتا کہ تم ان کو امیر بناؤ گے"۔ دیکھئے حاکم

باوجودیکہ شیعی تھے جیسا کہ کتب رجال سے ظاہر ہے وہ اس روایت کو نقل کرتے ہیں تو کہئے کہ کس درجہ وہ قابل وثوق ہوگی۔ غرضکہ جن حضرات کا نام آپؐ نے لیا ان میں قربِ قرابت کا کوئی لحاظ نہ تھا۔ بلکہ صلاحیتِ ذاتی مدنظر تھی۔ پھر صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو خلافت دی باوجودیکہ آپ کے صاحبزادے موجود تھے۔ پھر عمرؓ نے خلافت کو شوریٰ پر محول کیا حالانکہ آپ کے بھی صاحبزادے موجود تھے۔

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ کسی نے عمرؓ سے کہا کہ آپ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہیں بنایا؟ فرمایا خدا تجھے غارت کرے کیا ایسے شخص کو خلیفہ بناؤں جو اپنی عورت کو سیدھی طرح طلاق تک نہ دے سکا؟ مطلب یہ کہ خلافت کے لئے علم ولیاقت درکار ہے، قرابت کا کوئی لحاظ نہیں۔ اسی طرح عثمانؓ کے فرزند بھی موجود تھے مگر ان کو نہ آپؓ نے خلیفہ بنایا نہ مسلمانوں نے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا گیا آپ اپنا خلیفہ ہم پر مقرر نہیں کرتے؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خلیفہ مقرر نہیں فرمایا پھر میں کیونکر کرسکتا ہوں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلافت سے انکار کرنا:

پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو خلیفہ مقرر ہوئے سو وہ بھی خواہش سے نہیں چنانچہ تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کروں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی رو سے آپ کا "امین امت" ہونا ثابت ہے! انھوں نے کہا اے عمرؓ! جب

سے تم اسلام لائے ہو کبھی میں نے تم سے ایسی بے وقوفی کی حرکت نہیں دیکھی جو اس وقت دیکھ رہا ہوں! کیا تم مجھے خلیفہ بنانا چاہتے ہو؟ حالانکہ "صدیق" و "ثانی اثنین" مسلمانوں میں موجود ہیں؟۔

ازالۃ الخفاء میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ کہتے ہیں کہ جب خلافت کا معاملہ انصارؓ سے طے ہوا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرا اور ابوعبیدۃ بن الجراح کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میں راضی ہوں کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو! اور ایک روایت میں ہے کہ عمرؓ نے انصارؓ سے کہا کہ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلو! ابوبکرؓ نے کہا کہ اے عمرؓ تم مجھ سے قوی ہو! عمرؓ نے کہا آپ مجھ سے افضل ہو! پھر ابوبکرؓ نے وہی کہا اور عمرؓ نے وہی جواب دیا، جب تیسری بار ابوبکرؓ نے وہی کہا تو عمرؓ نے جواب دیا کہ میری قوت آپ کے ساتھ رہے گی اور آپ افضل بھی ہیں! یعنے فضیلت اور قوت دونوں آپ کے لئے ہیں، اس وقت آپ نے بیعت لی۔

خلافت کی ذمہ داریوں سے خوف:

اور اسی میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ بیان کیا کہ: "میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کسی دن یا کسی رات میں نے امارت کی حرص نہیں کی اور نہ مجھے اس کی رغبت تھی اور نہ کبھی میں نے خدائے تعالیٰ سے ظاہر میں یا پوشیدہ طور پر اس کی درخواست کی، لیکن جب دیکھا کہ فتنہ کا خوف ہے اس لئے ضرورۃً قبول کیا، مجھے امارت میں کوئی راحت نہیں، ایک ایسے بڑے کام کا بوجھ میں نے اٹھایا ہے کہ مجھ میں اس کی طاقت

نہیں جب تک خداے تعالیٰ مجھے طاقت نہ دے ، اور مجھے اب بھی آرزو ہے کہ کوئی
شخص میری جگہ ہو اور اس کو سرانجام دے "۔

تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز ابو بکر صدیق
رضی اللہ عنہ کسی باغ میں گئے دیکھا کہ ایک چڑیا درخت کی شاخ پر بیٹھی ہے ،
ایک لمبی سانس کھینچکر کہا : " اے چڑیا! تو بڑی خوش قسمت ہے کہ جھاڑوں سے
کھالیتی ہے اور ان کے سایہ میں راحت پارہی ہے کاش ابو بکر بھی تجھ سا ہوتا " ۔ اور
اسی میں امام احمدؒ کی کتاب الزہد سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ
" کاش میں کسی ایماندار کے پہلو کا ایک بال ہوتا " ۔ اور کبھی فرماتے : " مجھے آرزو
ہوتی ہے کہ کاش میں نباتات میں سے ہوتا جس کو جانور کھالیتے " ۔

ازالۃ الخفاء میں محب طبری کی کتاب الموافقۃ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز
عمرؓ مدینہ منورہ کے راستہ سے جارہے تھے کہ حضرت علیؓ ادھر سے تشریف لائے اور
آپ کے ہمراہ امام حسن وامام حسین علیہما السلام بھی تھے ، علی کرم اللہ وجہہ بعد سلام
عمرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ ملائے ہوئے ساتھ ہولئے اور دونوں صاحبزادے ان کے دونوں
جانبین پر ہوگئے ، دیکھا کہ عمرؓ رو رہے ہیں ، پوچھا اے امیر المؤمنین! آپ کیوں رو
رہے ہو ؟ کہا اے علی! مجھ سے زیادہ رونے کا مستحق کون ہے ؟ میری یہ حالت ہے کہ
میں اس امت کا والی بنایا گیا ہوں ان میں حکم کرتا ہوں معلوم نہیں میں گنہگار ہو رہا
ہوں یا اچھا کام کر رہا ہوں ؟ علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ آپ
معاملات میں عدل کرتے ہو ؟ مگر اس سے آپؓ کا رونا تھما نہیں ، اس کے بعد امام
حسن علیہ السلام نے آپؓ کے عدل وغیرہ کا حال بیان کرکے تسکین دی ، جب بھی
آپؓ روتے رہے ، اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے آپؓ کے عدل وغیرہ کا حال

بیان کرکے تسکین دی اس وقت آپ کا رونا تھما اور دونوں صاحبزادوں کی طرف
مخاطب ہو کر کہا : کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہو ؟ دونوں صاحبزادے اپنے والد ماجد
کی طرف دیکھنے لگے ، علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہاں گواہی دو میں بھی تمہارے
ساتھ گواہی دیتا ہوں ۔ یہ رونا دھونا خلافت ہی کی بدولت تھا جس نے ان کی جان
کو آفت میں ڈال رکھا تھا ۔

تاریخ الخلفاء میں شعب الایمان سے نقل کیا ہے کہ عمرؓ آرزو کرتے تھے کہ
" کاش میں دنبہ ہوتا لوگ جتنا چاہتے مجھے موٹا کرتے پھر جب کبھی ان کے یہاں کوئی
دوست مہمان آتا تو مجھے ذبح کرتے اور تھوڑا گوشت بھونتے اور کچھ کباب بناتے اور
کھاتے " ۔ غور کیجئے کہ کس قدر خوف ان حضرات پر طاری ہوگا کہ اس قسم کی تمنا
کرتے تھے ؟! اسی نرالی حالت نے ان کو ایسا بنادیا تھا کہ ان سے جو فعل صادر ہوتے
وہ بھی نرالے ہوتے تھے ۔ دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ کے حال میں تاریخ الخلفاء وغیرہ
میں لکھا ہے کہ وہ اکثر راتوں کو گشت کرتے اور لوگوں کے حالات خفیہ طور پر
دریافت کرکے ان کی حاجت روائیاں کرتے ، اور دن کو فصلِ خصومات ، قضاے
حاجات ، انتظامِ سلطنت اور خبر گیریِ رعایا وبرایا میں مشغول رہتے ۔ یہاں تک کہ
غنیمت کے اونٹوں کی خدمت بھی اپنی ذات سے کرتے تھے ، چنانچہ ان کی پیٹھ پر
زخم پڑتے تو اپنا ہاتھ زخم میں ڈال کر صاف کرتے اور دوا لگاتے اور کہتے کہ : میں
ڈرتا ہوں کہ کہیں خداے تعالیٰ تمہارے باب میں مجھ سے سوال نہ کرے ۔
عمر رضی اللہ عنہ کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ صدیق اکبر رضی
اللہ عنہ کے امر واجب الامتثال کے لحاظ سے خالصاً لوجہ اللہ خدمت گزاری خلق کو
آپ نے قبول کیا تھا ۔

علی کرم اللہ وجہہ کا خلافت سے انکار کرنا :

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا جب وقت آگیا اور صحابہؓ نے آپؓ سے درخواست کی تو آپؓ نے بھی انکار ہی کیا، چنانچہ تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مہاجرین و انصار جمع ہوئے جن میں طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے، اور بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت ہونی چاہئے، چنانچہ سب اسی غرض سے آپ کے پاس آئے آپؓ نے فرمایا مجھے اس خدمت کی حاجت نہیں اپ لوگ جس کو چاہو اختیار کرو میں راضی ہوں! سب نے کہا ہم آپ کے سوائے کسی دوسرے کو پسند نہیں کرتے، کئی بار طرفین سے یہی رد و قدح ہوتی رہی، آخر سب نے کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ سے زیادہ اس خدمت کا مستحق ہو، جو قرابت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اور جو دین میں آپ کو قدامت حاصل ہے وہ کسی کو نہیں! آپ نے کہا مجھے معاف کرو میں مصلحت اسی میں دیکھتا ہوں کہ میں وزیر رہوں اور کوئی دوسرا امیر ہو۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہم جب تک آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کریں گے کوئی کام نہ کریں گے! آپ نے مجبور ہو کر قبول فرمایا، چنانچہ پہلے طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حبیب ابن ذوئیب نے یہ دیکھتے ہی انا للہ پڑھا اور کہا کہ مجھے امید نہیں کہ یہ کام انجام پائے اس لئے کہ پہلے جو ہاتھ بیعت کے لئے آگے ہوا وہ شل ہے! پھر زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی اس وقت بھی آپؓ نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کو پسند کرتے ہو تو خیر ورنہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں! انھوں نے کہا کہ ہم سب یہی پسند کرتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ معاویہؓ نے جب آپؓ کے پاس کچھ پیام کہلایا اس وقت آپ نے خطبہ پڑھا جس میں یہ بات بھی فرمائی کہ: "جب لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو صحابہ جمع ہو کر میرے پاس آئے اور بیعت لینے کی درخواست کی ہرچند میں نے انکار کیا مگر کسی نے نہ مانا اور یہی کہتے رہے کہ ہم سوائے آپ کے کسی سے راضی نہیں، اگر آپ بیعت نہ لیں گے تو لوگوں کے متفرق ہوجانے کا خوف ہے، غرضکہ جب لوگوں نے اتنا اصرار کیا تو اس وقت میں نے بیعت لی"۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ (۱۷) میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لوگ بیعت کے لئے حاضر ہوے تو فرمایا : دعونی و التمسوا غیری فانا مستقبلون أمراً له وجوه وألوان لاتقوم له القلوب ولاتثبت له العقول وان الآفاق تداغامت والمحجة تدتنكرت ، واعلموا انی ان اجبتكم ركبت بكم ما اعلم ولم اصغ الى قول القائل و عتب العاتب ، وان تركتمونی فانا كأحدكم ولعلی اسمعكم واطوعكم لمن وليتموه امركم ، وأنا لكم وزير اًخير لكم منی اميرا اور یہی روایت نہج البلاغہ کی جلد اول میں بھی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے : "علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو اور خلافت کے لئے کسی دوسرے شخص کو تلاش کرو، کیونکہ یہ کام ایسی مختلف اور رنگارنگ صورتوں میں پیش نظر ہو رہا ہے کہ جنکو دل برداشت نہیں کرسکتے اور عقلیں ثابت نہیں رہ سکتیں، آفاق میں اندھیرا اور راستہ ناآشنا ہوگیا ہے، پھر یہ سمجھ رکھو کہ اگر میں تمہاری بات کو قبول کرلوں تو تم کو اس کام پر مسلط اور مامور کردوں گا جس کو میں جانتا ہوں پھر

اس وقت نہ کسی کی کوئی بات سنوں گا اور نہ کسی کے عتاب کی پرواہ کروں گا، اور اگر تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں بھی تم جیسا ایک مسلمان ہوں جس کو تم خلیفہ مقرر کرو گے امید ہے کہ تم سے زیادہ میں اس کی بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا، میرا وزیر ہونا تمہارے حق میں اس سے بہتر ہوگا کہ میں امیر بنوں "۔ اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور صاف فرمادیا کہ کسی اور کو خلیفہ بناؤ تو بہتر ہوگا اور میں بھی اس کی اطاعت کروں گا اس سے صاف ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ وقت کی اطاعت کو نہایت ضروری سمجھتے تھے اور نیک نیتی سے صاف فرمایا کہ : تم جس کو خلیفہ بناؤ گے اس کی اطاعت تم سے زیادہ کروں گا۔ اب اس کے بعد یہ خیال کرنا کہ خلفائے ثلاثہ کی اطاعت آپ نے نہیں کی اور کی بھی تو جبری طور پر، ہرگز قرین قیاس نہیں ۔ پھر یہاں یہ بھی خیال ں نہیں ہو سکتا کہ آپ نے "تقیہ" سے یہ فرمایا ہوگا، اس لئے کہ یہ موقعہ وہ تھا کہ جتنے ارباب حل و عقد وہاں موجود تھے وہ سب بالاتفاق آپ کے دست نگر تھے اور منتیں کر رہے تھے کہ آپ ہی بیعت لیں ۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ "اگر تم مجھے خدمت خلافت سے معاف رکھو گے تو میں بھی تمہارے جیسا ایک شخص ہوں گا اور امام کی اطاعت سب سے زیادہ کروں گا"۔ اگر اسی بناء پر لوگ کسی اور کو خلیفہ بنالیتے تو آپ کے نہ "وصی" ہونے میں کلام ہو سکتا نہ "باب مدینۃ العلم" ہونے میں فرق آتا نہ دوسری فضائل و صفات جو احادیث میں وارد ہیں بے موقعہ سمجھی جاتیں اور حسب اقرار و ارشاد آپ مثل اوروں کے خلیفہ وقت کے مطیع ہوتے، گو خدمت وزارت آپ ہی کو مسلم ہوتی ۔ اس سے ثابت ہے کہ وصی وغیرہ ہونے کو خلیفہ ہونا لازمی نہیں، اسی وجہ سے آپ

نے خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

معنی حدیث "مَن کنتُ مولاه فعلیٌ مولاه" :

آپ نے اپنی وزارت کو امارت پر جو ترجیح دی اس میں اس حدیث شریف کے طرف اشارہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَن کنتُ مولاه فعلیٌ مولاه یعنے : "جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں "۔ اس لئے کہ مولیٰ "ولی" سے ماخوذ ہے اور ولی کے معنی دوست اور ناصر کے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اللّٰہ ولی الذین آمنوا یعنے : "اللہ ان لوگوں کا ناصر و مددگار ہے جو ایمان لائے "۔ اور اولیاء اللہ بھی چونکہ حق تعالیٰ کی مدد کرتے ہیں اس لئے ان کا بھی لقب ولی ٹھہرایا گیا کما قال تعالیٰ اَلااِن اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون یعنے : "آگاہ رہو کہ اولیاء اللہ کو کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ اگر کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی مدد کرنا ممکن نہیں!! تو اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم یعنے "اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا بھی تمہاری مدد کرے گا" اس سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو خدا کی مدد کرنے کی ضرورت ہے، البتہ مدد مدد میں فرق ہے، بندہ کی مدد اسی قدر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق کار خیر میں اپنی قوت صرف کرے، پھر جب اس نے پورے طور پر اپنی قوت کو مرضیات الٰہی میں صرف کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری مدد کرتا ہے اور "ولی اللہ" کا لقب اس پر صادق آجاتا ہے۔

مولیٰ کے معنی :

"مولیٰ" لغت عرب میں کئی معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ لسان العرب شرح القاموس میں لکھا ہے کہ اس کے معنی : رب، سید، منعم، معتق، ناصر، محب، تابع، جار، ابن عم، صھر، عبد معتق، اور منعم علیہ کے ہیں ۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان سب معنوں میں نصرت ملحوظ ہے، اسی وجہ سے آزاد کرنے والے کو بھی "مولیٰ" کہتے ہیں اور آزاد کئے ہوئے غلام کو بھی کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں اور یہی وجہ ان کی محبت کی بھی ہے، اور حلیف کا بھی یہی حال ہے کہ ایک دوسرے کی نصرت کا اقرار اور معاہدہ کر لیتے ہیں اس لئے ہر ایک دوسرے کا مولیٰ کہلاتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ "مولیٰ" کے لئے "افضل" ہونا شرط نہیں جیسا کہ اس آیت شریفہ سے بھی معلوم ہوتا ہے قولہ تعالیٰ و انی خفت الموالی من ورائی یعنے "زکریا علیہ السلام نے کہا کہ مجھے خوف ہے میرے موالی یعنے بنی اعمام سے" اور حق تعالیٰ فرماتا ہے فان اللہ ھو مولاہ و جبریل و صالح المؤمنین یعنے خدائے تعالیٰ اور جبرئیل اور نیک بخت اہل ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناصر و مددگار ہیں ۔ دیکھئے اس آیت شریفہ میں عموماً اہل اسلام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "مولیٰ" قرار دیئے گئے ۔ اور قرآن شریف میں ہے انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین یعنے تو ہمارا مولیٰ یعنے ناصر اور مددگار ہے ہم کو کافروں پر مدد دے ۔ غرض کہ جتنے معنوں میں "مولیٰ" مستعمل ہے سب میں نصرت اور دوستی ملحوظ ہے، جس سے ظاہر ہے کہ مولیٰ کے اصل معنی ناصر و مددگار کے ہیں ۔ اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : کہ میرا وزیر رہنا امیر رہنے سے اولیٰ ہے ۔ کیونکہ وزیر خلیفہ وقت کا ناصر و

مددگار ہوتا ہے جس پر "مولیٰ" کے معنی پورے پورے صادق آتے ہیں اور اس سے تمام مسلمانوں کی مدد کا بھی پورا موقعہ ملجاتا ہے ۔ اس صورت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کا مطلب یہ ہوا کہ : جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ممد و معاون ہیں اسی طرح علی کرم اللہ وجہہ بھی ہیں ۔ چنانچہ کسی نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ کی خلافت میں بد نظمی ہے اور شیخینؓ کی خلافت میں نہایت انتظام تھا؟ آپ نے فرمایا کہ : اُن کے وزیر ہم تھے، اور ہمارے وزیر تم ہو ۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ وزیر کی لیاقت کے مطابق انتظام ہوا کرتا ہے ۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا وزیر ہونا بہ نسبت امیر اور خلیفہ ہونے کے مسلمانوں کے حق میں زیادہ تر مفید تھا جس کی خبر خود حضرتؓ نے دی جو نہج البلاغہ وغیرہ کتب معتبرہ شیعہ سے ثابت ہے، اور تعجب نہیں کہ مسلمانوں نے جو آپ کے اس ارشاد کی مخالفت کر کے آپ کو خلیفہ مقرر کیا اسی مخالفت کی نکبت سے پوری مدت خلافت میں کل مسلمان پریشانیوں میں رہے ۔ اس صورت میں یہ کیوں کر ہو سکے کہ من کنت مولاہ کی حدیث سے آپ کی خلافت مقصود ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو حضرت امیر المؤمنینؓ اس سے واقف ہوتے اور اس کے خلاف کبھی نہ فرماتے ۔

یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی کہ جب کل صحابہ مہاجرین و انصار وغیرہ نے بالاتفاق اور بہ طیب خاطر آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تو اس وقت تو آپ نے انکار کیا، اور خواہش اس وقت کی تھی جب کہ کل صحابہ ابو بکرؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے تھے؟! ہاں یہ ثابت ہے کہ آپ نے بیعت میں کسی قدر تاخیر

کی، اور بعضے روایات سے آپ کا ملال بھی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی وجہ دوسری تھی
غرضکہ خلافت کا آپ کو نہ پ شوق تھا نہ سوائے خوشنودی خدا و رسول کے اس سے
آپ نے کوئی نفع حاصل کیا۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کسی واقعہ سے نہایت غمگین ہوئے اور امام حسن علیہ السلام سے
بہ کمال حسرت فرمایا کہ : "کاش میں بیس سال پہلے مرگیا ہوتا" ۔ اب کہئے کہ یہ
خلافت آفت تھی یا راحت ؟ لوگوں کو اس مسئلہ میں اشتباہ اسوجہ سے ہوا کہ انھوں
نے خلافتِ نبوت کو سلطنتِ دنیوی پر قیاس کرلیا جس سے تعلی اور آسایش مقصود
ہوتی ہے! حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ظاہر بینوں کی نظر میں غالباً یہ بات ہوگی کہ : علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان
رض اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو تعلل کیا وہ صرف نمائشی تھا، دراصل وہ آپ کی
قدیم آرزو تھی جس کو روکاٹوں نے پورا ہونے نہیں دیا تھا، پھر جب ایک مدت کے
بعد وہ خواہش پوری ہوئی تو اس وقت بھی لوگ دیکھ نہ سکے اور عمر بھر آپ کو
راحت نہ لینے دی، چنانچہ ساتھ ہی لڑائیاں شروع ہوگئیں !! مگر قرائن اس کے
خلاف میں گواہی دے رہے ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپؓ کا تعلل ظاہری نہ
تھا بلکہ خود آپؓ کی طبیعت فقر دوست اور مسکنت پسند واقع ہوئی تھی، آپؓ کو دنیا
سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ناسخ التواریخ[1] جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط موسومہ بہ
امیر معاویہؓ نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ : "جب لوگ ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت
کرنے لگے تو تمہارے باپ ابو سفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ

(۱) اس کے مصنف شیعہ ہیں، نام ہے محمد تقی، ایران کے رہنے والے تھے۔

وسلم کے بعد آپ سے زیادہ خلافت کا کوئی مستحق نہیں ہے میں ذمہ دار ہوتا ہوں
کہ جو کوئی آپ کی مخالفت کرے گا میں اس کی سرکوبی کروں گا آپ ہاتھ بڑھائیے میں
آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں ! مگر میں نے اس کو قبول نہیں کیا" ۔ اگر ان کو
خلافت منظور ہوتی تو ابو سفیان جیسے ذی اثر شخص کا ذمہ دارِ مدد و نصرت ہونا کوئی
معمولی بات نہ تھی۔

یہاں شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ابو سفیان کو علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ
خاندانی عداوت تھی اس لئے ان کا بیعت پر اقدام کرنا خالی از مصلحت و مکر نہیں ۔
مگر یہ صرف بدگمانی ہے، ابو سفیان کو ضرور علی کرم اللہ وجہہ کی تائید کا خیال پیدا
ہوگیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بوڑھے پرانے خیال کے آدمی تھے جن کی عمر کا
اکثر حصہ جاہلیت میں بسر ہوا تھا، عصبیتِ جاہلیت ان کی طبیعت میں متمکن تھی،
چونکہ عرب کی خمیر اور جبلت میں عصبیت داخل ہے کہ جو قبیلہ و نسب میں اپنے
قریب ہو اس کے مقابلہ میں اگر کوئی دوسرا کھڑا ہوجائے تو قریب کے نسب والوں
کو اس کی مدد کرنا ضروری ہے گو باہمی جھگڑے اور مخالفتیں ہوں، چنانچہ اس کا
ثبوت اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو تاریخ کامل کی جلد سوم صفحہ ۶۴ میں لکھا ہے کہ
جب بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ پر سختی شروع کی آپ علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں
چھپ کر گئے اور فرمایا "یوں تو میرے حقوق آپ پر بہت سارے ہیں مگر سب سے
قطع نظر کرکے اگر یہ فرض کیا جائے کہ کوئی حق ثابت نہیں اور ہم جاہلیت ہی میں
ہیں تو بھی عبد مناف کی اولاد پر بڑے عار کی بات ہے کہ ایک بنی تمیم کا شخص یعنے
طلحہ ان سے حکومت چھین لے" ۔ اسی بنا پر ابو سفیان کو سخت ناگوار تھا کہ ابو بکرؓ
(جن کی قرابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور کی ہے جو کعب بن لوی

میں یعنے آٹھویں پشت میں ملتے ہیں) علی سے حکومت چھین لیں، چونکہ بنی امیہ جن میں ابوسفیان بھی ہیں ان کو بنی ہاشم سے بہت قریب کا تعلق ہے اس لئے ان پر بحسب اصول حمیت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کرنا ضروری تھا۔

استیعاب میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو ابوسفیان علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا "یہ کیسی بات ہے کہ قریش کا ایک چھوٹا گھرانہ تم سے حکومت چھین لے! خدا کی قسم اگر تم چاہتے ہو تو تمہاری مدد کے لئے اتنے سوار اور پیادے جمع کردوں کہ مدینہ میں جگہ نہ ملے"۔ اور نہج البلاغہ میں بھی یہی مضمون مفصل موجود ہے۔ ان کو کثیر التعداد فوج فراہم کرنے کا اطمینان اس وجہ سے تھا کہ اکثر قبائل قریش عصوبت قومی سے ضرور آمادۂ جنگ ہوجاتے، اور علی کرم اللہ وجہہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ابوسفیان کی یہ باتیں صرف زبانی نہیں بلکہ صاحب عزم و ارادہ ہیں جو کہتے ہیں وہ کریں گے، چنانچہ اس خط میں جو معاویہؓ کے نام لکھا ہے یہ عبارت موجود ہے **و انت تعلم ان اباک قد قال ذلک ارادة حتی کنت انا الذی ابیت لقرب عهد الناس بالکفر مخافة الفرقة بین اهل الاسلام** یعنے: تم جانتے ہو کہ تمہارے والد نے محبت جتانے کی غرض سے نہیں کہا تھا بلکہ اس کا جزم و ارادہ کرلیا تھا، مگر میں نے انکار کیا اس خیال سے کہ اہل اسلام میں تفرقہ پڑجائے گا۔

دیکھئے ابوسفیان جیسے مدبر شخص جن کی وجاہت تمام قبائل عرب میں مسلم تھی اور انھیں کی تدابیر سے تمام عرب کے قبائل مدتوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے رہے، علی کرم اللہ وجہہ کو کمک دینے پر آمادہ ہوگئے تھے، گو اسلام میں ان کی وجاہت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں کچھ نہ تھی مگر علی کرم اللہ وجہہ کی قومی

وجاہت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قربِ قرابت اور ذاتی شجاعت ان کی تدابیر کے ساتھ ہوتی تو مسلمانوں میں ایک تہلکہ تو ضرور پڑجاتا، مگر سبحان اللہ حضرت علیؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ اس طرف توجہ تک نہ کی اور خلافت سے صاف انکار کردیا۔ اب اس کے بعد وہ اظہار مظلومیت اور بے کسی کی روایتیں کہ خلافت لینے کی غرض سے آپؑ حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام کو ہر رات ہمراہ لے کر ایک ایک کے گھر جاتے اور مدد کی درخواست کرتے!! اور اس قسم کی روایتیں جو آیندہ کسی موقعہ پر انشاءاللہ تعالیٰ لکھی جائیں گی نعوذ باللہ کیا صحیح ہوسکتی ہیں؟!

آپ کے دل کی بات یہ تھی کہ کسی طرح خلافت سے سبکدوش رہیں، اس وجہ سے بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح اس سے پیچھا چھوٹے، مگر چونکہ تقدیر الٰہی میں ٹھہر چکا تھا کہ آپ خاتم الخلفاء ہوں اس لئے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ دیکھئے پہلے صاف انکار کردیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ مجھے خلیفہ بنانے میں مصلحت نہیں البتہ وزیر بناؤ تو تمہارے حق میں اچھا ہے، پھر تنگ ہوکر فرمایا میرا پیچھا چھوڑو اس کام کے لئے کسی اور کو تلاش کرلو! جیسا کہ نہج البلاغہ صفحہ (۸۷ و ۸۸) میں مذکور ہے۔ پھر جب دیکھا کہ وہ مانتے ہی نہیں تو مجبور ہوکر فرمایا کہ اگر اسی کو ضروری سمجھتے ہو تو اس کام کے لئے مسجد میں ایک عام جلسہ کرو تاکہ تمام مسلمان حاضر ہوں، مقصود یہ کہ سب کی رائے کبھی متفق نہ ہوگی اس لئے حیلہ کو موقعہ مل جائے گا، جیسا کہ ناسخ التواریخ ۱۸ میں لکھا ہے: "می گفتند ما نحن **بمفارقیک حتی نبایعک قال ان کان و لا بد من ذلک ففی المسجد**" یعنے سب نے کہا کہ ہم آپ کو کبھی نہ چھوڑیں گے جب تک کہ آپ کے ہاتھ بیعت نہ کرلیں گے، فرمایا اگر اسی کو ضروری سمجھتے ہو تو یہ معاملہ مسجد میں طے ہو۔ مگر اس

کے ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ معلوم رہے کہ اس مجمع میں اگر ایک شخص بھی خلاف
کرے گا تو میں پھر کسی سے بیعت نہ لوں گا ! جیسا کہ ناسخ التواریخ صفحہ ۲۰ میں ہے

وہمچناں امیر المؤمنین در بدو فرمود کہ اگر از ہمہ یک تن
از بیعت من سرتابد سر دریں کار در نخواہم آرد۔ اور اسی صفحہ ۲۰
میں لکھا ہے کہ : ابن عباس گوید درروز بیعت علی سخت بیمناک
بودم چہ بسیار کس درآں انجمن حاضر بودند کہ پدر و برادر ایشاں را
علی با تیغ درگزرانید ہمیں گفتم مبادا یک تن ازیں خونداراں
سربرآرد و سخنے ناہموار گوید امیر المؤمنین علی برنجد و پذیرائی بیعت
نشود ناگاہ ہے کہ ہیچکس بجائے نماند الا آنکہ بہ تمام رضا و رغبت
بیعت کرد۔

دیکھئے وہ زمانہ کیسا تھا، مصر کوفہ اور بصرہ وغیرہ بلاد کہ مختلف خیالات کے
لوگ جمع تھے، اور اہل بصرہ چاہتے تھے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں اور اہل
کوفہ کی رغبت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف تھی، اور طرز کاروائی سے بھی معلوم ہوتا
تھا کہ ان حضرات کو بھی کسی قدر اقتدار کا خیال تھا، اور اہل بصرہ کی آمد و شد جو
ابتداء سے آپ کے یہاں تھی بعض کوتاہ اندیشوں کو اس طرف توجہ دلاتی تھی کہ
محرک اور باعث قتل عثمانؓ معاذ اللہ آپؓ ہی ہیں جس سے عام جوش پھیلا ہوا تھا،
ایسے موقعہ پر ظن غالب بلکہ یقین یہی تھا کہ ہزارہا مسلمان آپ کی مخالفت پر آمادہ
ہوجائیں گے۔ غرضکہ آپ نے یہ ضرور خیال فرمایا تھا کہ اتنے مخالفین میں سے کوئی
ایک تو ضرور ہی مخالفت کرے گا اس لئے شرط لگادی کہ : اس مجمع عام میں سے

کسی ایک نے بھی مخالفت کی تو پھر قبول خلافت پر میں ہرگز مجبور نہ ہوسکوں گا۔
اب غور کیجئے کہ جب اتنی طرح سے ٹالنے کے بعد بھی خلافت گلے پڑی ہوگی تو کس
قدر آپ تنگدل ہوئے ہونگے ؟! کیا ایسے صریح صریح قرائن کے بعد بھی خیال ہوسکتا
کہ آپ طالب خلافت تھے ؟!

کراہت و خوف از خلافت بعذاب آخرت

اصل وجہ اس کی یہ تھی جو جس کو آپ نے ایک خطبہ میں علی رؤس الاشہاد
بیان فرمایا جو ناسخ التواریخ کے صفحہ (۲۱) میں ہی نقل کیا ہے : ألا ان اللّٰہ عالم
من فوق سمائه و عرشه أنی کنت کارھاً للولایة علی امة محمد
صلی اللّٰہ علیه و سلم حتی اجتمع رأیکم علی ذلک لأنی سمعت
رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم یقول : ایما وال ولی الامر من
بعدی اقیم علی حد الصراط و نشرت الملائکة صحیفته فان کان
عادلاً نجاه اللّٰہ بعدله ، و ان کان جائراً انتقض به الصراط
یتزایل مفاصله ثم یهوی الی النار فیکون اول ما یلقی به النار
انفه و حر وجهه ، ولکنی لما اجتمع رأیکم لم یسعنی ترککم -
یعنے : "خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا تھا کہ امت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حکومت کروں، اس لئے کہ خود میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے : جو شخص میرے بعد حاکم ہوگا قیامت کے روز
پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور فرشتے اس کا نامہ اعمال کھولیں گے اور حساب شروع
ہوگا، پھر اگر اس کا عادل ہونا ثابت ہوگیا تو خدائے تعالیٰ اسے نجات دے گا، اور

اگر ظالم ثابت ہوگا تو دوزخ میں گرے گا جس سے جوڑ بند اس کے جدا جدا ہوجائیں گے اور آگ میں پہلے اس کی ناک جھڑے گی اور چہرہ جلے گا ـــــ ! غرضکہ اس فرمان کے لحاظ سے میں خلافت کو نہایت مکروہ سمجھتا تھا، مگر جب تم سب اتفاق کرکے مجھی کو خلیفہ بنانا چاہتے ہو تو میں مجبور ہوگیا اور تم سے علحدہ ہونا مجھ سے نہ ہوسکا"۔

بے رغبتی از خلافت :

اور نہج البلاغہ صفحہ ۳۲۷ میں آپؑ کا قول نقل کیا ہے : واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیھا و حملتمونی علیھا یعنے "خدا کی قسم مجھے خلافت کی بالکل رغبت نہ تھی، اور نہ حکومت سے کوئی غرض تھی، لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کی طرف بلایا اور زبردستی مقرر کیا"۔

یہ بے رغبتی اسی وجہ سے تھی کہ خلافت کی ذمہ داریاں نہایت سخت ہیں جس کا حال روایت سابقہ میں آپ نے بیان فرمادیا۔ غرضکہ خلافت کرنا آپ کو منظور نہ تھا، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ سب مسلمان جس بات پر اتفاق کریں اس کی مخالفت کریں، اس لئے یہ خیال کیا کہ کُل مسلمان اپنی خلافت پر ہرگز اتفاق نہ کریں گے لہذا یہ شرط لگادی کہ جب تک سب اتفاق نہ کریں گے میں بیعتِ خلافت نہ لوں گا ! مقصود یہ تھا کہ نہ سب اتفاق کریں گے نہ بیعت لینے کی نوبت آئے گی۔ مگر مشیت ایزدی میں تو ٹھہرا ہوا تھا کہ آپ خاتم الخلفاء ہوں اس وجہ سے اس وقت کسی نے خلاف ہی نہ کیا۔ اس کے بعد حضورؐ کی پیشین گوئی کا

ظہور ہوا چنانچہ تخمیناً آدھی امت آپ کی امارت پر راضی نہ ہوئی اور آخر تک خلافت ہی کا جھگڑا رہا، جس سے مقصودِ خلافت جو اشاعتِ اسلام تھا حاصل نہ ہوسکا۔ اس موقعہ میں آپ نے ترک کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا اس لئے کہ وہ عبادت تھی اور عبادت شروع کرنے پر لازم ہوجاتی ہے اور اس کی تکمیل ضروری ہوجاتی ہے۔ غرضکہ آپ نے جبراً خلافت کو قبول کیا جس سے مقصود مسلمانوں کی خوشنودی تھی جس میں خدا اور رسول کی خوشنودی متصور ہے کما قیل :

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

اب کہئے کہ خلافت کی رغبت اور شکایتِ خلفائے ثلاثہ کی روایتیں جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں کیا ان روایتوں کے مقابلہ میں وہ صحیح ہوسکتی ہیں ؟ ہرگز نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ آپؑ نے نعوذ باللہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر ضرورت کے وقت اپنی بے رغبتی بیان فرمائی !۔

آپؑ جانتے تھے کہ خلافت میں علاوہ جواب دہی اخروی کے، دنیا میں بڑے بڑے مصائب پیش آنے والے ہیں، اس کی تصدیق ہم احادیث سے کئے دیتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ کُل پیش آنے والے واقعات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجھہ کو دے دی تھی، ان احادیث کو دیکھنے کے بعد کوئی منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا کہ باوجود ان پیش آنے والے مصائب پر مطلع ہونے کی آپؑ نے خلافت کو جو قبول کیا وہ بعینہٖ ایسی ہی تھا جیسے فقروفاقہ کو اختیار کیا، یعنے بجز رضاجوئی خدا اور رسول کے اس سے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ اوروں نے ظلم کرکے آپؑ کی خلافت چھینی ان احادیث وغیرہ امور مذکورہ سے ثابت ہے کہ آپ کے نزدیک وہ ظلم نہ تھا، بلکہ زبردستی

خلافت جو آپؐ کے گلے ڈالی گئی وہ ظلم تھا۔

خبر خوارج :

امام نسائیؒ نے خصائص علی کرم اللہ وجہہ میں بسند متصل روایت کی ہے کہ کلیب جرمی کہتے ہیں کہ : میں علیؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک مسافر آیا اور اس نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں! چونکہ آپ لوگوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے اس لئے اس کی طرف توجہ نہ کی، وہ کسی کے پاس بیٹھ گیا اور یہ واقعہ بیان کیا کہ میں عمرہ کے لئے گیا تھا جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کیا تمہاری طرف کوئی قوم ہے جس کا نام "حروریہ" ہے؟ اور ان کو حروریہ کیوں کہتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ایک مقام ہے جس کا نام "حرورہ" ہے وہاں کے لوگوں کو حروریہ کہتے ہیں، فرمایا اس شخص کے لئے خوشخبری ہے جو اُن کو ہلاک کرے! اگر ابن ابی طالب چاہیں تو اُن کی خبر دے سکتے ہیں ۔ اس لئے میں ان کا حال دریافت کرنے کو آیا ہوں ۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ فارغ ہوئے تو پوچھا اجازت چاہنے والا کہاں ہے؟ وہ شخص پیش ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا اس وقت سوائے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی نہ تھا حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا اے علی! تمہارا کیا حال ہوگا جب فلاں قوم کے ساتھ مقابلہ ہوگا؟ میں نے عرض کی خدا و رسول دانا تر ہیں، پھر مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ : "ایک قوم ادھر نکلے گی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا، دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا

ہے، ان میں ایک شخص ہوگا جس کا ہاتھ ناقص ہے اور اس پر مثل سرپستان پارۂ گوشت ہوگا"۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا میں نے تمہیں اس کی خبر نہیں دی تھی؟ لوگوں نے کہا بے شک آپ نے خبر دی تھی! فرمایا پھر تم نے مجھے خبر دی کہ وہ ان میں نہیں ہے، اور میں قسم کھا کر کہتا تھا کہ وہ ان لوگوں میں ضرور ہے، اس کے بعد تم لوگ اسے کھینچتے ہوئے مجھ تک لے آئے اور وہ ویسا ہی تھا جس طرح میں نے کہا؟ لوگوں نے کہا درست ہے! فرمایا خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ اس مضمون کی اور روایتیں بھی امام نسائیؒ نے مختلف اِسنادوں سے لکھی ہیں اور دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہیں، جن کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے واقعات کا تفصیلی حال بیان فرمادیا تھا کہ فلاں قسم کے لوگ ہوں گے، اور فلاں مقام میں یہ واقعہ پیش آئے گا، اور اس کا انجام یہ ہوگا وغیرہ وغیرہ ۔

خبر جنگ جمل :

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جنگ کی خبر بھی دی تھی، چنانچہ کنزالعمال کی کتاب الفتن میں متعدد روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ : تم میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا میں ایک واقعہ پیش آئے گا! علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا وہ واقعہ میری شقاوت کا باعث ہوگا؟ فرمایا : نہیں لیکن اُس وقت ان کو ان کی امن کی جگہ واپس کر دو۔

ایک روز آپ نے ازواج مطہرات سے فرمایا : تم میں وہ کون عورت ہے جو اونٹ پر سوار ہوگی اور اس کو دیکھ کر حوأب کے کتے بھونکیں گے اور اس کے

اطراف بہت سے لوگ مارے جائیں گے؟ جب عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ حواب پر پہونچا اور وہاں کے کتے بھونکنے لگے تو انہوں پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حواب! فرمایا میں یہاں سے لوٹ جاتی ہوں اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کیا حال ہوگا اس عورت کا جس کو دیکھ کر حواب کے کتے بھونکیں گے" لوگوں نے کہا آپ تو اصلاح کے لئے تشریف لائی ہیں۔

چونکہ مشیت ایزدی میں اس جنگ کا واقع ہونا مقرر تھا اس لئے آپ واپس نہ ہوسکیں اور سخت لڑائی ہوئی جس میں بہت سے لوگ مارے گئے اور آنحضرتؐ کی پیش گوئی پوری ہوئی......

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا کہ بعض امہات المؤمنین خروج کریں گی، عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سنکر ہنس دیں، حضرتؐ نے فرمایا دیکھو اے حمیراء کہیں وہ تم ہی نہ ہوں! پھر علی رضی اللہ عنہ کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ اگر تم سے ان کا کام متعلق ہوجائے تو ان کے ساتھ نرمی کرنا۔ حاکم نے اس روایت کو ذکر کرکے کہا ہے کہ **صحیح علی شرط الشیخین**۔

اس لڑائی میں حواری رسول اللہ زبیر رضی اللہ عنہ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ تھے اس کی بھی خبر آنحضرتؐ نے پہلے ہی دی تھی، چنانچہ کنزالعمال کی کتاب الفتن میں ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کی صف آرائیاں ہوئیں اور دونوں لشکر قریب ہوگئے، علیؓ نے آگے بڑھکر باواز بلند زبیر ابن العوام کو پکارا، جب وہ روبرو آئے تو فرمایا میں تمہیں قسم دیتا ہوں کیا تم اس روز کا واقعہ بھول گئے کہ فلاں مقام پر تم ہم دوستانہ گفتگو کررہے تھے اتنے میں آں

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور تم سے پوچھا کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے کہا وہ تو میرے ماموں کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں کیونکر ہوسکے کہ ان سے محبت نہ رکھوں! پھر مجھ سے فرمایا کیا تم ان کو دوست رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ وہ میری پھوپی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں کیا میں ان کو دوست نہ رکھوں گا! یہ سن کر فرمایا اے زبیر! واللہ تم ان سے جنگ کروگے اور تم ظالم ہوگے۔

یہ سن کر زبیر رضی اللہ عنہ نے قسم کھاکر کہا بے شک یہ واقعہ صحیح ہے میں بھول گیا تھا اب ہرگز آپ سے نہ لڑوں گا! چنانچہ وہ اسی وقت جنگ سے علحدہ ہوگئے۔

غرضکہ مشیت الٰہی میں ان کا اس جنگ میں شریک ہونا مقدر تھا اس لئے باوجود آنحضرتؐ کی خبر دینے کے بھول گئے، اور حضرت عائشہؓ کا اس جنگ کے لئے نکلنا بھی اسی قسم کا تھا، چنانچہ کنزالعمال کتاب الفتن میں ہے کہ عروہؓ نے عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کس کو دوست رکھتے تھے؟ فرمایا علی ابن ابی طالب کو! کہا پھر آپ ان سے جنگ کیوں کی؟ کہا تمہارے باپ نے تمہاری ماں کو کیوں نکاح کیا تھا؟ کہا تقدیر الٰہی تھی! فرمایا بس یہ بھی تقدیر الٰہی تھی۔

خبر بغاوت معاویہؓ با علی

اسی طرح معاویہؓ کا باغی ہونا بھی، علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکے تھے۔ بلکہ اکثر صحابہ جانتے تھے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ "باغی جماعت تمہیں قتل کرے گی" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں تھے اور معاویہؓ کے لشکریوں کے ہاتھوں اُن کے سامنے شہید ہوئے۔

ہر فتنہ کی پیشین گوئی :

الغرض جتنے واقعات ہونے والے تھے آں حضرتؐ نے عام طور پر صحابہؓ کے روبرو بیان فرمادیے تھے، چنانچہ کنزالعمال کی کتاب الفتن میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اس باب میں بکثرت روایتیں مذکور ہیں، یہاں تک کہ وہ فرماتے ہیں کہ : "جتنے فتنے قیامت تک ہونے والے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیے تھے، اگر میں چاہوں تو جتنے فتنہ پرداز قیامت تک ہوں گے جن کی ماتحتی میں تین سو ۳۰۰ یا اس سے زیادہ شخصوں کی تعداد ہوگی ان کے نام مع ولدیت اور مقام تک کے بیان کر سکتا ہوں، اور سب سے پہلا فتنہ عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہے، اور آخری فتنہ خروج دجال" ۔ جب حذیفہؓ اس تفصیل سے آیندہ آنے والے واقعات جانتے تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو بطریق اولیٰ جانتے ہوں گے، کیونکہ کنزالعمال کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی نسبت اعلمھم علماً فرمایا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ بر سر منبر فرمایا کرتے کہ "جو چاہو مجھ سے پوچھ لو میں جواب دے سکتا ہوں" اور حدیث انا مدینۃ العلم و علی بابھا جو مشہور ہے اسی پر ناطق ہے۔ کیوں نہ ہو جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو تھی وہ کسی کو نہ تھی۔ چنانچہ امام نسائی نے کتاب خصائص علیؓ میں روایت کی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "ہر رات سحر کے وقت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر حضرت نماز میں ہوتے تو سبحان اللہ فرمادیتے جس سے میں اذن سمجھ لیتا ورنہ طلب فرمالیتے"۔

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام الاولیاء ہیں جیسا کہ ابو نعیم نے حلیۃ

الاولیاء میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "حق تعالیٰ نے علی کو امام الاولیاء مقرر فرمایا ہے"۔ اسی وجہ سے تقریباً کل سلاسل اولیاء اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے واسطہ سے آں حضرتؐ تک پہونچتے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ تعلیم روحانی خاص طور پر آپ کو ہوتی، چونکہ خلافت کبریٰ کے لوازم بھی اسی سے متعلق ہیں اس لئے وقت خاص میں اس کا حال بھی آپ کو ضرور معلوم کرایا گیا ہوگا۔

بہر حال یہ امر کئی قرینوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ان وقائع کی خبر ضرور دی تھی جو آپ کے زمانہ میں پیش آنے والے تھے۔ یہاں تک کہ خود آپؓ کی شہادت کی خبر بھی آپ کو تھی، چنانچہ ابو سنان کہتے ہیں کہ ایک بار علیؓ سخت بیمار ہوئے میں عیادت کو گیا اور آپ کی خطرناک حالت دیکھ کر کہا اے امیر المؤمنین اس بیماری سے مجھے خوف آتا ہے! فرمایا خدا کی قسم مجھے کچھ خوف نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صادق و مصدوق تھے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں ایک زخم یہاں لگے گا اور ایک زخم یہاں، اور دونوں کنپٹیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان کے خون سے داڑھی رنگین ہوجائے گی۔ اس روایت کو حاکم نے ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اپنے قاتل کو بھی آپ بخوبی جانتے تھے، چنانچہ علامہ ابن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آکر عبد الرحمن بن ملجم شقی نے ایک روز سواری طلب کی آپ نے سواری لے کر یہ شعر پڑھا :

ارید حیاته و یرید قتلی

یعنے میں تو اس کی حیات چاہتا ہوں اور وہ میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے،

اس کے بعد فرمایا کہ : یہی میرا قاتل ہے! کسی نے کہا پھر آپ اس کو قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ ہنوز مرتکبِ قتل نہیں ہوا۔

علم قرونِ اولیٰ و آیندہ تا قیامت

ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے خبر دی و لقد استودعت علم القرون الاولی و ما ھو کائن الی یوم القیامۃ یعنے : "اگلی امتوں کا علم اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کا علم مجھ میں ودیعت رکھا گیا ہے"۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا علم آپ میں پہلے سے ودیعت رکھا گیا تھا۔

خلفائے ثلاثہ کی خلافت سے متعلق روایتیں

غرض کہ جب ہر ایک پیش آنے والے واقعہ کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؑ سے فرمادیا تھا تو ممکن نہیں کہ مسئلۂ خلافت جو اہم اور ضروری تھا اس کو آپؑ سے نہ فرمایا ہو! حالانکہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کی خبر بارہا عام جلسوں میں آپ نے دی ہے۔ چنانچہ یہاں چند روایتیں لکھی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت مشیت ایزدی میں مقرر ہو چکی تھی اور مختلف طریقوں سے آنحضرتؐ نے بطور پیشین گوئی فرمادیا تھا، اور ان کی مدح و ثنا بھی کی :

مشکاۃ شریف میں مسند امام احمد، جامع ترمذی اور سنن ابوداود سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "خلافت نبوت تیس سال رہے گی"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دو سال، عمرؓ کے دس سال، عثمانؓ کے بارہ سال، علی اور امام حسن علیہما السلام کے چھ سال۔

ازالۃ الخفاء میں بخاری سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ : "میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور اس پر ایک ڈول رکھا ہے جس قدر خدائے تعالیٰ کو منظور تھا میں نے پانی کھینچا، پھر اس کو ابوبکرؓ نے لیا اور ایک دو ڈول کھینچے مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا، پھر عمرؓ نے اس کو لیا ان کے ہاتھ میں وہ موٹ (بڑا ڈول جس کو بیل یا اونٹ کھینچتے ہیں) بن گیا اور خوب سا پانی کھینچ کر لوگوں کو سیراب کیا"۔ کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے کہ اس خواب کا پورا پورا ظہور ہوا۔

مستدرک حاکم میں یہ حدیث ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ : جی میں نے دیکھا ہے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے اور اس کے ایک پلڑے میں آپ تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے میں ابوبکرؓ آپ کا پلہ بھاری ہو گیا، پھر آپ اٹھالئے گئے اور ابوبکرؓ بیٹھے رہے۔ پھر جس پلڑے میں آپ تھے اس میں عمرؓ بٹھائے گئے ابوبکرؓ کا پلہ بھاری ہو گیا، پھر ابوبکرؓ اٹھالئے گئے اور ان کی جگہ عثمانؓ بٹھائے گئے عمرؓ کا پلہ بھاری ہو گیا، پھر عمرؓ اٹھالئے گئے اور ان کے ساتھ وہ ترازو بھی اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرتؐ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا۔ ترازو کا اٹھ جانا یہ بتلا رہا ہے کہ مسلمانوں میں جو "اعتدالی حالت" تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں نہ رہے گی اور افراط و تفریط شروع ہو جائے گی۔

ازالۃ الخفاء میں امام ابوداودؒ سے منقول ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات ایک مردِ صالح نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکرؓ پکڑے ہوئے ہیں اور انکے ساتھ عمرؓ اور ان کے ساتھ عثمانؓ متعلق ہیں۔ صحابہؓ نے تعبیر دی کہ یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

بعد "اولوالامر" ہوں گے۔

مستدرک حاکم میں یہ روایت ہے کہ انس بن مالکؓ کو بنی المصطلق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ دریافت کے لئے بھیجا کہ آپ کے بعد ہم صدقات و زکاۃ وغیرہ کس کو دیں؟ فرمایا ابو بکرؓ کو، انھوں نے دریافت کروایا : ان کے بعد؟ فرمایا عمرؓ کو، پھر پچھوایا : ان کے بعد؟ فرمایا عثمانؓ کو، پھر پچھوایا : ان کے بعد کس کو دیں؟ فرمایا ان کے بعد تمہاری ہلاکت ہے۔ چونکہ آیندہ کے واقعات کا کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کہ ایک جماعتِ کثیر ضرور معاویہؓ کی طرف ہوجائے گی اس لئے آپ نے تعیین خلیفہ کو مناسب نہیں سمجھا۔

ازالۃ الخفاء میں سنن ابی داود سے منقول ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا ایک ڈول آسمان سے اترا ابو بکرؓ نے اس کی دونوں لکڑیوں کو جو اس کے منہ پر لگی ہوئی تھیں پکڑ کر تھوڑا سا پانی پیا، پھر عمرؓ آئے انھوں نے خوب سیر ہو کر پیا، پھر عثمانؓ آئے انھوں نے بھی سیری سے پیا، پھر علیؓ آئے جب انھوں نے ان لکڑیوں کو پکڑا تو وہ کھل گئیں اور کسی قدر پانی اس میں سے گر پڑا۔ یہ اشارہ تھا کہ تمام مسلمان آپؓ کے ساتھ نہیں رہیں گے۔

ازالۃ الخفاء میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ ایک عورت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی آپ نے فرمایا : پھر کبھی آنا ! اس نے کہا اگر آپ کو نہ پاؤں (یعنے آپ کا انتقال ہوجائے تو کس کے پاس جاؤں)؟ فرمایا ابو بکرؓ کے پاس۔ اس سے تعیین خلیفہ مقصود نہ تھا بلکہ یہ معلوم کرنا منظور تھا کہ ابو بکرؓ پہلے خلیفہ ہوں گے (۱) ۔

---

(۱) یعنی علم اللہ و رسولہ میں، کہ ماکان و مایکون معلوم تھا۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکمؒ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب میں ایک فتنہ اور اختلاف پیدا ہونے والا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا : پھر ہمیں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا امیر اور اس کے اصحاب کی رفاقت نہ چھوڑو ! یہ کہہ کر عثمانؓ کی طرف اشارہ فرمایا، جس کا مطلب یہ کہ اس وقت عثمانؓ امیر ہوں گے۔ اس سے ثابت ہے کہ عثمانؓ کی خلافت پر جو نکتہ چینیاں کی گئیں وہ ان کی معزولی کا باعث نہیں ہوسکتیں۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکمؒ اور جامع ترمذیؒ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمانؓ سے فرمایا : "امید ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا جس کو لوگ اتار لینا چاہیں گے مگر تم اس کو ہرگز اتارنے نہ دینا"۔ اسی وجہ سے عثمانؓ نے عزل کو قبول نہیں کیا۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مسجد کی بنیاد ڈالی گئی تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اٹھایا، پھر ابو بکرؓ نے، پھر عمرؓ نے، پھر عثمانؓ نے یکے بعد دیگرے پتھر اٹھا کر پایہ میں لگاتے گئے، میں نے عرض کی : یارسول اللہ! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ کیسی مدد آپ کی کر رہے ہیں؟ فرمایا : اے عائشہ یہی لوگ میرے بعد خلفاء ہونگے۔ حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح علی شرط الشیخین ہے۔

عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ سے ایک شخص کو بلاؤ! میں نے عرض کیا : کیا ابو بکرؓ کو بلائیں؟ فرمایا نہیں، پھر عرض کی عمرؓ کو بلائیں؟ فرمایا نہیں، پھر عرض کیا : کیا آپ کے عم زاد بھائی علیؓ کو؟ فرمایا نہیں، پھر عرض کیا : کیا عثمانؓ کو بلائیں؟ فرمایا ہاں، جب وہ حاضر

ہوئے تو مجھے ارشاد ہوا کہ تم اٹھ جاؤ، میں ایک طرف ہو گئی اور حضرتؐ ان سے
آہستہ آہستہ کچھ فرمانے لگے، میں یہ دیکھ رہی تھی کہ عثمانؓ کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔
ابو سہلہ جو عثمانؓ کے غلام ہیں کہتے ہیں کہ جب عثمانؓ گھر میں محبوس کئے گئے تو ہم
نے کہا کیا ان لوگوں سے ہم مقابلہ نہ کریں؟ فرمایا نہیں، نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا جس کے مطابق اب میں صبر کرتا ہوں۔ حاکم نے
مستدرک میں یہ روایت ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

غرضکہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ارشادات اور مختلف ذرائع سے صحابہؓ کو بخوبی معلوم ہو گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی رضامندی بھی ظاہر فرمادی تھی۔ اور صدیق اکبرؓ کو نماز میں امام
اور اپنا قائم مقام بنا کر صحابہؓ پر یہ بات ظاہر فرمادی کہ آنحضرتؐ کے بعد انہی میں
مقتدا ہونے کی صلاحیت سب سے زیادہ ہے۔

حضورؐ نے اپنا جانشین کسی کو کیوں نہیں کر دیا

اب یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے
تھے کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہوں گے مگر خاص طور پر یہ حکم نہیں دیا کہ وہ اپنے بعد خلیفہ
بنائے جائیں، اس کی کیا وجہ تھی؟ بات یہ ہے کہ جس چیز کا ظہور خود بخود ہونے والا
ہو اور سب اس کو مان لیں اس میں جو لطف اور عمدگی ہوتی ہے وہ جبری کارروائی
میں نہیں ہوتی۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ: "دوات اور شانہ کی ہڈی لاؤ تو میں تمہیں ایسی

بات لکھدوں کہ اس کے بعد تم پھر کبھی گمراہ نہ ہوں" ۔ یہ کہہ کر آپ نے منہ پھیر
لیا، پھر صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ سوائے ابو بکرؓ کے دوسرے کو نہ خدا قبول
کرے گا نہ اہل ایمان۔ اس زمانہ میں اکثر اونٹ کے شانہ کی ہڈیوں پر بجائے کاغذ کے
لکھا کرتے تھے کہ کاغذ کے قائم مقام تھی، استخوانِ شانہ منگوانے سے مقصود وصیت
نامہ لکھنا تھا، مگر جب غور فرمایا کہ صدیق اکبرؓ کی خلافت کا معاملہ تو تقدیر ازلی میں
طے شدہ ہے اس لئے اس کے لکھنے کو بے ضرورت سمجھا..... حدیث قرطاس پر جو
افسوس ہوا کرتا ہے کہ عمرؓ نے کاغذ لانے سے روک دیا اگر کاغذ لایا جاتا تو معلوم
نہیں آنحضرتؐ کیا وصیت فرماتے؟! سو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ یہی تحریر
فرماتے کہ صدیق اکبرؓ خلیفہ بنائے جائیں! بعض صحابہ جو آنحضرتؐ کے مزاج داں
تھے تحمیل نہ کر سکے اس سبب سے کہ ایسی نازک حالت اور شدت مرض میں
حضرتؐ کو اس کی تکلیف دینے کی کیا ضرورت؟۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ آنحضورؐ کی خدمت
میں صحابہؓ نے عرض کیا: کیا اچھی بات ہوتی کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر فرمادیتے!
فرمایا: اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کرتا اور تم لوگ اس کی نافرمانی کرتے تو تم پر
عذاب نازل ہوتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: علیؓ کو آپ خلیفہ مقرر فرمائیں تو بہتر
ہے! فرمایا: "تم لوگ ان کو مقرر نہ کرو گے اور اگر کرو گے تو ان کو ہادی و
مہدی پاؤ گے جو تم کو سیدھی راہ لے چلے" ۔ یہ پیشین گوئی تھی جس کا ظہور یوں
ہوا کہ علیؓ کی خلافت میں ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آپ کو تبلیغ اور اشاعت اسلام کی
طرف توجہ کرنے کی نوبت نہ ہی آئی۔

کل مدتِ خلافتِ راشدہ میں صرف علیؓ ہی کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اہل بیت نبوی میں ہونے کی وجہ سے ابتداء سے انتہاء تک آپ ہی کی خلافت ہوتی اور تیس برس جو مدت خلافت تھی جس کا اختتام آپؓ کی وفات کے ساتھ ہو گیا تو اس پوری مدت میں آپ ہی ایک خلیفہ رہتے! مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظور تھا کہ آپ خاتم الخلفاء ہوں، جیسا کہ احادیث مذکور سے ظاہر ہے۔ تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ **علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی** اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین یہ چاروں حضرات ہیں، اس لئے کہ لفظ "خلفاء" جمع ہے اور جمع کے لئے کم سے کم تین افراد ہونے چاہئیں، ان ہی اسباب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ان حضرات کی خلافت راشدہ کو تسلیم کر لیا تھا، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یہ خلافتِ نبوت ہے اس میں خاندان اور استحقاق جو سلاطین میں دیکھا جاتا ہے کافی نہیں۔ چنانچہ جس حدیث میں **الخلافة ثلاثون سنة** ہے اسی میں **ثم بعد ذلک ملک** بھی ہے۔

ختم خلافت و ابتدائے سلطنت بنی امیہ:

کیونکہ آنحضرتؐ نے خبر دی تھی کہ تیس سال کی خلافت راشدہ کے بعد سلطنت و آمریت ہو جائے گی، اس کا ظہور ضروری تھا، اور اس کی ابتداء یوں ہوئی

کہ عثمانؓ شہید کئے گئے، آپؓ کے بنو امیہ میں ہونے کی وجہ سے آپؓ کی خلافت میں اس قبیلہ کے لوگوں کو ترقی ہوئی، خصوصاً معاویہؓ تو پہلے ہی سے شام کی حکومت پر مامور تھے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ علیؓ نے بغرض خلافت عثمانؓ کو شہید کرایا، نیز چونکہ قاتلوں کو حوالہ کرنے میں بھی علی کرم اللہ وجہہ نے تامل فرمایا اس وجہ سے اور بھی یہ خیال مستحکم ہو گیا اور سلطنت شام آپؓ کے مقابلہ پر آمادہ ہو گئی۔ اور یہیں سے مملکت و سلطنت کی بنیاد پڑی۔ چنانچہ خود معاویہؓ کا قول ہے کہ "میں پہلا پادشاہ ہوں" جیسا کہ استیعاب میں حافظ ابن عبد البرؒ نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ **انا اول الملوک**۔

خصائص کبریٰ میں امام بیہقی سے منقول ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: "خلافتِ نبوت تیس (۳۰) سال رہے گی، اس کے بعد خدائے تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک دے گا"۔ معاویہؓ کو جب یہ حدیث پہونچی تو کہا کہ: ہم "ملک" ہی پر راضی ہیں۔ غرضکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق، مدتِ خلافتِ راشدہ ختم ہوئی اور آمریت و سلطنت کے آثار نمایاں ہوئے۔ چنانچہ معاویہؓ نے اپنے لڑکے کو اپنا ولی عہد مقرر کیا جیسا کہ سلاطین کا دستور ہے۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ معاویہؓ نے یزید کے ولی عہد ہونے پر اہل شام سے بیعت لی، اس کے بعد گورنر مروان کو لکھا کہ مدینہ والوں سے بھی بیعت لی جائے، چنانچہ مروان نے خطبہ پڑھا کہ امیر معاویہ نے مناسب سمجھا ہے کہ جس طرح ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا جانشین مقرر کیا وہ بھی اپنے بیٹے کو خلیفہ بنائیں تاکہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت پر عمل ہو۔ عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما یہ

سن کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ : یہ قیصرو کسریٰ کی سنت ہے، ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نہ اپنی اولاد کو خلیفہ بنایا نہ اپنے اہل بیت میں سے کسی کو ۔ پھر معاویہؓ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بلا کر کہا کہ اے ابن عمر آپ نے کہا تھا کہ میں ایک ایسی رات گزارنا پسند نہیں کرتا جس میں مجھ پر کوئی امیر نہ ہو، اس لئے اب آپ یزید کی خلافت کے بارے میں اختلاف کرکے مسلمانوں میں تفرقہ نہ ڈالئے ۔ انھوں نے خطبہ پڑھا کہ : تمہارے پہلے جو خلفاء گزرے ہیں ان کے بھی فرزند تھے باوجود اس کے انھوں نے اپنے فرزندان کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ بہتر و قابل اور اہل خیر کو اس خدمت کے لئے منتخب کرتے رہے، تمہارا لڑکا ان کے فرزندوں سے بہتر نہیں ہے، رہی تفرقہ اندازی سو میں بھی ایک مسلمان ہوں جس کی نسبت سب کا اتفاق ہوجائے گا میں بھی اس کا تابع ہوجاؤں گا۔

تاریخ الخلفاء میں مصنف ابن ابی شیبہ سے منقول ہے کہ سعید بن جمہان نے سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بنی امیہ کہتے ہیں کہ اب خلافت ہم میں ہے! کہا : زرقاء کی اولاد جھوٹی ہے وہ خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں، اور بادشاہ بھی کیسے ؟ سخت، اور پہلے بادشاہ معاویہؓ ہیں۔

علیؓ ابو بکرؓ کو لائقِ خلافت سمجھتے تھے :

غرضکہ قرابت کی وجہ سے ولی عہد اور جانشین ہونا آمریت و سلطنت کا لازمہ ہے، خلافتِ نبوت میں قرابت سے کوئی تعلق نہیں، اسی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لائق خلافت تسلیم کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، چنانچہ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ : جب ابو بکر رضی اللہ عنہ

کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی تو ابو سفیانؓ علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا کہ قبیلہ قریش کا ایک چھوٹا گھرانہ تم پر غالب آگیا خدا کی قسم اگر تم چاہو تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھردوں ! علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : " تم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے ہو اور اس سے ان کا کچھ ضرر نہیں ہوا، ہم نے ابو بکرؓ کو خلافت کے اہل اور لائق سمجھا ہے اس لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی " !

دیکھئے ابو سفیانؓ نے عام قاعدہ کے مطابق علی کرم اللہ وجہہ کو دوستانہ رائے دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین آپؐ کو ہونا چاہئے کیونکہ آپ ہم خاندان ہیں اور اس پر کمال ہمدردی ظاہر کرکے پوری مدد دینے کا وعدہ کیا، جس سے ظاہر ہے کہ ان کا یہ بیان زبانی نہ تھا جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے، ورنہ اس وقت کوئی ایسی تدبیر سوجھتے کہ بنی امیہ کو خلافت مل جائے، آخر عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جن کو اسلام میں بہت سے اعزازی حقوق حاصل تھے، مگر علی کرم اللہ وجہہ کو غصہ اس بات پر آیا کہ باوجود اسلام لانے کے عام قاعدہ اور تعصب جاہلیت سے کیا تعلق! اور ایسی جھڑکی دی کہ پھر کبھی ایسی مشورت کا نام بھی نہ لیں، اگر علیؓ کے دل میں ذرا بھی مخالفانہ خیال ہوتا تو ابو سفیانؓ کو اس خیال سے کہ :

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

اپنے مشوروں میں شریک کرتے اور ایک ایسی جماعت بنالیتے جو مخالفت کے ساتھ شہرت پاتی ۔ حالانکہ کتب حدیث و تواریخ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایسی جماعت اُس زمانہ میں قائم ہوئی تھی ۔

بیعت خواستن ابوسفیان وزجر علیؑ اورا :

ناسخ التواریخ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نامہ موسومہ بہ معاویہؓ نقل کیا ہے اس میں یہ عبارت موجود ہے وقد کان ابوک اتانی حین ولی الناس ابابکر فقال: أنت أحق بعد محمد صلی اللہ علیہ و سلم لھذا الأمر و انا زعیم لک بذلک علی من خالف علیک ابسط یدک اُبایعک، فلم افعل و انت تعلم ان اباک قد قال ذلک ارادة حتیٰ کنت انا الذی ابیت لقرب عھد الناس بالکفر مخافة الفرقة بین اھل الاسلام یعنے : "جب ابوبکرؓ کو لوگوں نے والی اور خلیفہ بنالیا تو تمہارے باپ ابوسفیان میرے پاس آئے اور کہا کہ : محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ زیادہ تر اس امر کے مستحق ہو اور میں ذمہ دار ہوتا ہوں کہ جو کوئی آپ کی مخالفت کرے گا میں اس کی سرکوبی کروں گا آپ ہاتھ بڑھائیے پہلے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں ! مگر میں نے اس کو قبول نہیں کیا، تم جانتے ہو کہ تمہارے والد نے یہ بات کسی اور خیال سے نہیں کہی تھی بلکہ جزم و ارادہ سے کہا تھا مگر میں نے ہی اس سے انکار کیا، اس وجہ سے کہ لوگوں کے کفر و جاہلیت کا زمانہ ابھی ابھی گزرا تھا مجھے خوف ہوا کہ کہیں مسلمانوں میں پھوٹ نہ پڑجائے"۔

دیکھئے آپ صاف فرمارہے ہیں کہ لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنالیا، اور یہ بات بھی آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ والی اور خلیفہ بنانے کا حق اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو ہے جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ ۱۱۶ میں ہے کہ امیرالمؤمنین نے معاویہ کے نام خط لکھا جس میں یہ عبارت موجود ہے و انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علیٰ ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد

ان یختار و لا للغائب ان یرد و انما الشوریٰ للمھاجرین و الانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل سموہ اماماً کان ذلک للہ رضی یعنے : "میرے ہاتھ پر ان لوگوں نے بیعت کی جنھوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اس کے بعد نہ کسی موجود شخص کو حق ہے کہ دوسرے کو اختیار کرے اور نہ غائب کو حق ہے کہ اس کو رد کرے، کیونکہ شوریٰ کا حق مہاجرین و انصار کو ہے اگر وہ کسی شخص پر اتفاق کرکے اس کو اپنا امام بنالیں تو اسی کی امامت پر خدا بھی راضی ہے"۔

دیکھئے علیؑ کے ارشاد سے ثابت ہے کہ مہاجرینؓ و انصارؓ کو ابتداء ہی سے خلیفہ بنانے کا حق تھا، اور خلفائے ثلاثہ کو جو انہوں نے خلیفہ بنایا سو ان کی خلافت سے خدا بھی راضی ہے، اسی وجہ سے آپؓ نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تاکہ خلاف مرضی الٰہی نہ ہو۔ اور نہج البلاغہ صفحہ ۱۱۱ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ ما اختلفت دعوتان اِلا کانت اِحداھما ضلالة یعنے "خلافت کے جب دو دعوے دار ہوں تو ایک ضرور گمراہی پر ہوگا"۔ جب خلفائے ثلاثہ کی خلافت باتفاق اہل شوریٰ نافذ اور مرضی الٰہی کی مطابق ہوگئی تو اس کے بعد دعویٰ کرنا ضلالت تھا اس لئے کبھی آپؓ نے دعوائے خلافت نہیں کیا۔

غرضکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیالات ایسے نہ تھے جیسے دنیاداروں کے ہوا کرتے ہیں، کہ کسی طرح خواہ جائز ہو یا نہ ہو اقتدار حاصل کرلیں۔ آپؓ کا نفس نفیس خاص توجہات نبویؐ کے فیضان سے للّٰہیت کے اس درجہ پر ترقی کرچکا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس پر اس کو قیاس نہیں کرسکتا، ہر ہر کام میں اسلامی مصلحت آپؓ کے پیش نظر رہا کرتی تھی۔

ازالۃ الخفاء میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ : "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی راتیں اور کئی دن بیمار رہے اس عرصہ میں جب نماز کا وقت آتا تو فرماتے کہ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں ، پھر جب آنحضرتؐ کی وفات ہوئی تو میں نے سوچا کہ نماز علم اسلام اور قوام دین ہے ، اس لئے ہم اپنے دنیوی معاملات میں بھی راضی ہوگئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پسند فرمایا تھا ، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی ، اور تمام مسلمانوں کی طرح ان کی اطاعت کرتے رہے "۔

ہرچند بعض حضرات منصبِ امامتِ نماز کی توہین کرکے کہتے ہیں کہ امامت کوئی قابل وقعت چیز نہیں جس سے خلافت ثابت ہوسکے ! مگر اہل انصاف اگر غور فرمائیں تو معلوم ہو کہ قرائن حالیہ اور خصوصیتِ مقامی کو فہم مطالب میں کس قدر دخل ہے ؟! دیکھئے کوئی جلیل القدر بادشاہ دربار عام میں کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہو اور مسند چھوڑ کر علحدہ بیٹھ جائے تو دیکھنے والوں کی نظر میں اس بزرگ کی کیسی وقعت ہوگی ؟ اور امراء اور مقربین بارگاہ سلطنت کس ادب سے اس سے ملیں گے ؟! اب اگر کوئی خارجی شخص کہے کہ " مسند سے اٹھ جانا کوئی قابل قدر بات نہیں سانپ بچھو کے آنے سے بھی اٹھ جاتے ہیں " تو اس فقرہ سے اس بزرگ کی توہین تو ہوجائے گی مگر اصل واقعہ سے اس کو کچھ تعلق نہ ہوگا ۔ ہرچند قیام دونوں میں ہے مگر اس قیام تعظیمی کا اثر عموماً اہل دربار پر اور خصوصاً مقربان بارگاہ شاہی پر جو ہوگا ان ہی کا دل اسے جانتا ہے جس سے اس بزرگ کی تعظیم پر ان کے دل خود بخود مائل ہوں گے ۔

اب غور کیجئے کہ مسجد نبویؐ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی کو امامت کرنے کا شرف حاصل ہوا ہو ، بلکہ کسی کو اس کی آرزو تک نہ ہوئی ہوگی ، اگر کہا جائے کہ اس مقام کے تشخص میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود داخل تھا تو بے محل نہ ہوگا ۔ پھر جب آنحضرتؐ بیماری کی وجہ سے وہاں تشریف نہ لاسکے اور نماز کا وقت آگیا تو کسی سے یہ جرأت نہ ہوسکی کہ سجادۂ خاص پر قیام کرکے بطور خلافت یا نیابت خدمتِ امامت کو انجام دے ، حالانکہ علی کرم اللہ وجہہ کو اس مقام سے خاص تعلق تھا یہاں تک کہ جنابت کی حالت میں بھی آپ کو وہاں سے گزرنے کا حق تھا ، اس کے سوا قربِ قرابت اور اہل بیت ہونے کا جو شرف حاصل تھا کسی کو نہ تھا ، باوجود اس کے آپ سے بھی نہ ہوسکا کہ اس مقام میں کھڑے ہو کر اس خدمت کو انجام دیں ، اب صدہا صحابہؓ جن کو اقسام کی خصوصیتیں حاصل تھیں دم بخود اور اس انتظار میں ہیں کہ دیکھئے کس کو یہ شرف خلافت اور نیابت حاصل ہوتا ہے ؟ کہ اتنے میں ارشاد ہوا کہ " ابوبکرؓ اس خدمت کو انجام دیں " ، ہرچند بعض ازواج مطہرات نے اس انتخاب میں کلام کیا مگر شانِ رسالت مآبؐ نے اس پر کچھ توجہ نہ فرمائی بلکہ کمالِ عتاب سے پھر وہی ارشاد مکرر ہوا کہ " ابوبکر سے کہو کہ وہ امامت کریں " ۔ پھر یہ انتخاب اتفاقی طور پر ایک دو وقت کے لئے ہی نہ تھا بلکہ جب تک حضورِ اقدس اس عالم میں تشریف رکھتے تھے ان ہی کو اپنا قائم مقام فرمایا ، اور کبھی ان کی عزت افزائی کی غرض سے خود بنفس نفیس بھی اقتداء کی ۔ غرضکہ قرائن حالیہ کے مشاہدہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کچھ ایسی وقعت صحابہ کے دلوں میں جمی کہ خلافت کے وقت کسی کو چون وچرا کی گنجائش ہی نہ تھی ، اور علی کرم اللہ وجہہ جیسے مزاج داں اور رمز شناس اصحاب نے معلوم کرلیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا

ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ اور اگر بعض صحابہؓ مثل سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کچھ کلام بھی کیا تو وہ مقتضائے بشریت سے تھا، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ انصار میں حکومت رہے اور خود جس طرح ایام جاہلیت میں حاکم تھے اسلام میں بھی رہیں، بخلاف صدیق اکبرؓ کے کہ باوجود اس تخصیص کے آپ نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا البتہ حسب ارشاد نبوی یہ ضرور سمجھتے تھے کہ خلافت قریش میں رہے اور مِنّا امیرٌ و منکم امیر کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

نہج البلاغہ جلد (۲) کے صفحہ ۳۷ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خط نقل کیا ہے جو اہل مصر کے نام آپ نے تحریر فرمایا تھا: **وکتاب لہ علیہ السلام الی اھل مصر مع مالک الاشتر لما ولاہ امارتھا: اما بعد فان اللہ سبحانہ تعالی بعث محمداً صلی اللہ علیہ وآلہ نذیراً للعالمین و مھیمناً علی المرسلین فلما مضی علیہ السلام تنازع المسلمون الامر من بعدہ فو اللہ ما کان یلقے فی روعی ولا یخطر ببالی و ان العرب ترعج ھذا الامر من بعدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن اھل بیتہ ولا انھم منحوہ عنی من بعدہ فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونہ فامسکت بیدی حتے رأیت راجعۃ الناس قد رجعت عن الاسلام یدعون الی محق دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم فخشیت ان لم انصر الاسلام و اھلہ ان اری فیہ ثلماً او ھدماً یکون المصیبۃ علی اعظم من فوت ولایتکم التی انما ھی متاع ایام قلائل یزول منھا ما کان کما یزول السراب و کما یتقشع السحاب فنھضت فی تلک الاحداث حتے زاح الباطل**

وزھق و اطمأن الدین و تنھنہ یعنے: علیؓ نے جب مالک اشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ اہل مصر کے نام یہ مراسلہ بھی روانہ فرمایا کہ: "بعد حمد و صلاۃ یہ معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، جب آپ اس عالم سے تشریف لے گئے خلافت میں لوگ جھگڑنے لگے، مگر خدا کی قسم مجھے خیال بھی نہیں آتا تھا کہ عرب خلافت اہل بیت کو خصوصاً مجھے نہ دے کر کسی دوسرے خاندان میں دیں گے، پھر کیا دیکھتا ہوں کہ فلاں صاحب (یعنے ابوبکرؓ) پر لوگ ٹوٹ پڑ رہے ہیں اور بیعت کئے جاتے ہیں اس سے میں گھبرایا اور اس وقت تک بیعت سے ہاتھ روکا کہ بعض عرب مرتد ہو کر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹانے کی فکر کرنے لگے، اس وقت مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اسلام اور اہل اسلام کی مدد نہ کروں تو دین میں رخنہ پڑجائے گا یا وہ منہدم ہی ہوجائے گا اور اس وقت حکومت جانے سے زیادہ مجھ پر مصیبت ہوگی، دراصل حکومت دنیوی چند روزہ مثل سراب کے سریع الزوال ہے، اس خیال سے میں ان نئے خیال کے لوگوں کے مقابلہ میں کھڑا ہوگیا یہاں تک کہ باطل دفع ہوا اور دین باطمینان قائم ہوگیا"۔

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو مسلمان سمجھتے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ "اسلام اور اہل اسلام کی مدد کی" اس سے ثابت ہوا کہ جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی سوائے تین شخصوں کے کُل صحابہؓ مرتد ہوگئے! سو وہ من گھڑت اور بے اصلِ محض ہیں جن کو غالباً اسلام کے دوست نما دشمن ابن سبا نے بنایا ہوگا جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ قریب میں معلوم ہوگا۔ دوسری یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ

دین کے اطمینان اور استقرار کا زمانہ تھا جیسا کہ فرمایا زاح الباطل وزھق و اطمأن الدین - تیسری یہ کہ آپ نے بطوع و رغبت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور عمومی مصلحت کے لحاظ سے اپنی ذاتی حکومت سے دست بردار ہوگئے تھے - چوتھی یہ کہ جس طرح تمام اہل اسلام ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں کام کرتے تھے علیؓ بھی کرتے تھے - پانچویں یہ کہ آپ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وتعاونوا علیٰ البر والتقوی ولا تعاونوا علیٰ الاثم والعدوان یعنے ایک دوسرے کی مدد نیک کاموں اور تقویٰ میں کرو اور گناہ و زیادتی میں مدد مت کرو، چونکہ غاصب یقیناً مرتکب عدوان وزیادتی ہے اس لئے اس کی مدد اس نص قطعی سے حرام ثابت ہوگی، ہرچند یہ اسلام کی مدد تھی مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استحکام اس سے ضرور ہوا، اور علی کرم اللہ وجہہ کا تقویٰ ہرگز اس کو گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ غصب کا استحکام اور اس کی تائید کریں - پھر اس پر "غصب" کی تعریف بھی صادق نہیں آتی اس لئے کہ خود علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ "خلیفہ بنانا مسلمانوں کا کام ہے" جیسا کہ نہج البلاغہ وغیرہ میں مصرّح ہے، جس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں خلافت مسلمانوں ہی کا حق سمجھا جاتا تھا کہ جس کو چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں، اگر بالفرض ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی خواہش سے خلیفہ بن بیٹھے بھی ہوں تو اس کو جائز رکھنا یا نہ رکھنا مسلمانوں کا کام تھا، پھر جب انہوں نے جائز رکھا تو اپنا حق ان کو دے دیا، اور ظاہر ہے کہ جب صاحب حق کسی کو اپنا حق دے دے تو اس کا مالک ہوجاتا ہے - بہرحال اس سے ثابت ہے کہ جتنی روایتیں غصبِ خلافت سے متعلق بیان کی جاتی ہیں تعجب نہیں کہ ابن سبا اور اسکی کمیٹی والوں کی بنائی ہوئی ہوں -

چھٹی یہ کہ مسلمانوں نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت بغیر جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے کی جیسا کہ قول علیؓ فما راعنی الا انثیال الناس علی فلان یبایعونه سے ظاہر ہے -

اب رہی یہ بات کہ بعض روایتوں سے علیؓ کی ناراضی معلوم ہوتی ہے! سو اس کی وجہ دوسری ہے جس کو ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے نقل کیا ہے کہ علی اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ : "اوائل میں ہمیں جو غصہ آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم خلافت کے مشورے میں شریک نہیں کئے گئے، ورنہ ہم جانتے تھے کہ ابو بکرؓ مستحق خلافت ہیں، کیونکہ وہ غار میں آنحضرتؐ کے رفیق تھے جن کی شان میں ثانی اثنین حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور ان کے شرف و بزرگی کو ہم جانتے تھے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو امام بنایا تھا" -

تاریخ الخلفاء میں مستدرک حاکم وغیرہ سے منقول ہے کہ جب مہاجرین و انصار بیعت کرچکے تو ابو بکرؓ خطبہ کے لئے منبر پر چڑھے اور حاضرین پر نگاہ ڈالی، دیکھا کہ زبیر رضی اللہ عنہ نہیں ہیں ان کو بلوایا اور کہا کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپی زاد بھائی اور ان کے حواری اور حالت یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں؟! انہوں نے کہا لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللّٰہ مطلب یہ کہ مجھ سے قصور ہوگیا اب سرزنش نہ فرمایئے! یہ کہہ کر بیعت کرلی، اس کے بعد ابو بکرؓ نے پھر غور کیا تو علیؓ بھی نہیں ہیں ان کو بلوایا جب وہ آئے تو فرمایا : آپ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی ہوں اور داماد بھی ہوں اور ارادہ یہ کہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں!! یہ سنتے ہی آپؓ نے بھی لا تثریب یا خلیفۃ رسول اللّٰہ کہہ کر بیعت کرلی - اس روایت کی تصدیق ناسخ التواریخ کی اس

روایت سے ہوتی ہے جو ابھی مذکور ہوئی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے معاویہؓ کو لکھا کہ باوجودیکہ ابتداء میں ابوسفیان نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہا تھا مگر میں نے اس خوف سے انکار کر دیا کہ مسلمانوں میں تفرقہ پڑجائے گا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ دعوائے خلافت کی وجہ سے ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرنے میں تعویق ہوتی تو فوراً آپ ابوسفیان سے بیعت لے لیتے ! اس سے ثابت ہے کہ تعویق کا سبب وہی تھا جو حاکم کی روایت سے ابھی معلوم ہوا ۔

یہ بیعت کرنا اسی وجہ سے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ سب سے افضل ابوبکرؓ کو سمجھتے تھے ، چنانچہ ازالۃ الخفاء میں بخاری اور ابوداؤد سے منقول ہے کہ محمدؒ بن حنفیہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد یعنے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خیر الناس کون ہیں ؟ فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ ، پھر پوچھا ان کے بعد ؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ ۔

ازالۃ الخفاء میں اکثر روایتیں مختلف سندوں اور متعدد کتابوں سے نقل کی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے بارہا لوگوں کے سوال کے جواب میں اور خطبوں میں یہی فرمایا ہے کہ ابوبکرؓ اور ان کے بعد عمر خیر الناس اور افضل ہیں ۔ اور استیعاب سے نقل کیا ہے کہ علیؓ نے علیٰ روس الاشہاد فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے گا میں اس کو مفتری کی حد ماروں گا ۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک روز علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے پوچھا : کیا تمہیں خبر دوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون شخص اس امت میں سے پہلے جنت میں داخل ہوگا ؟ لوگوں نے خواہش ظاہر کی ، فرمایا : پہلے

ابوبکرؓ جائیں گے ان کے بعد عمرؓ ۔ کسی نے کہا کیا آپؓ سے بھی پہلے یہ دونوں صاحب جائیں گے ؟ فرمایا : ہاں خدا کی قسم یہی بات ہے ، وہ جنت میں داخل ہوجائیں گے اور میں معاویہؓ کے ساتھ حساب و کتاب میں رکا رہوں گا ۔

ازالۃ الخفاء میں ترمذی اور ابن ماجہ سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ : جتنے درمیانی عمر ادھیڑ لوگ پچھلی امتوں کے اور اس امت کے جنت میں داخل ہوں گے ان کے سردار اور سید ابوبکرؓ و عمرؓ ہیں ۔ یہ کہہ کر فرمایا : اے علی ! تم ان کو اس کی خبر نہ دو ۔

ازالۃ الخفاء میں مسند امام احمد سے منقول ہے کہ : جنگ جمل کے روز علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ " امارت کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات قرار نہیں دی بلکہ جو کیا ہم نے اپنی رائے سے کیا چنانچہ ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے خدا کی رحمت ابوبکرؓ پر ہو انہوں نے دین کو قائم کیا اور خود نے بھی اس پر استقامت کی ، ان کے بعد عمرؓ خلیفہ ہوئے خدا کی رحمت عمرؓ پر ہو انہوں نے دین کو خوب قائم کیا اور خود نے بھی استقامت کی یہاں تک کہ دین نہایت آسائش میں رہا " ۔

ازالۃ الخفاء میں مستدرک حاکم سے منقول ہے کہ : علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ دین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سابق ہیں ، اور دوسرے ابوبکرؓ اور تیسرے عمرؓ ، ان کے بعد فتنہ نے ہم میں بد نظمی ڈالدی ، خدائے تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف کرے گا ۔

اتفاق علی بر خلافت ابو بکر رضی اللہ عنہما :

تاریخ الخلفاء میں یہ روایت ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ بصرہ تشریف لے گئے ، ابن کوا اور قوس ابن عباد نے پوچھا : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لئے آپ کو ولی عہد مقرر فرمایا تھا ؟ کہا : "اگر مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ولی عہد مقرر فرماتے تو ابو بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما کو آپؐ کے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا اور اپنے ہاتھ سے ان کو قتل کرتا اگرچہ سوائے اس چادر کے میرا کوئی رفیق نہ ہوتا ، لیکن بات یہ ہے کہ حضرتؐ ناگہاں قتل نہیں کئے گئے اور نہ مرگِ مفاجات سے آپ کا انتقال ہوا بلکہ کئی رات دن بیمار رہے اور نماز کے وقت موذن آکر نماز کی خبر دیتا اور آپؐ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں بھی وہاں موجود ہوتا اور مجھ کو ملاحظہ بھی فرماتے ، اور باوجودیکہ کسی بیویؓ نے اس باب میں کچھ کہا بھی تو ان پر خفا ہو کر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو امامت کا حکم دیا ، پھر جب آنحضرتؐ کا انتقال ہوا تو ہم نے اپنے معاملہ میں غور کیا ، دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے معاملہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پسند فرمایا ، تو ہم نے اپنے دنیا کے معاملہ میں بھی ان ہی کو اختیار کیا ، کیونکہ نماز اصل اسلام اور قوام دین ہے ، اسلئے ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور وہ اس کے اہل بھی تھے اس لئے کسی دو شخصوں نے بھی اس باب میں اختلاف نہ کیا ، پھر میں نے ان کا پورا حق ادا کیا اور ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکر میں شریک ہو کر جنگ کی ، جب وہ کچھ دیتے تو میں لے لیتا ، اور جنگ پر بھیجتے تو جاتا ، اور ان کے روبرو اپنے ہاتھ سے حد مارتا ، پھر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ سب کام ان کے وقت میں بھی کرتا رہا" ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ : ابو بکرؓ کی خلافت میں کسی نے اختلاف اور کلام نہیں کیا ۔ اس سے پوری پوری تصدیق آپ کے اس قول کی ہوتی ہے جو نہج البلاغہ صفحہ ۹۷ میں ہے **من اصلح بينه و بين الله اصلح الله ما بينه و بين الناس ، و من اصلح امر آخرته اصلح الله له امر دنياه ، و من كان له من نفسه و اعظ كان عليه من الله حافظ** یعنے "جس نے اپنے اور خدا کے درمیان معاملات کو درست کر لیا تو خدائے تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملات درست کر دیتا ہے ، اور جس نے اپنی آخرت کا کام درست کر لیا تو خدائے تعالیٰ اس کے دنیوی کاموں کو درست کر دیتا ہے ، اور جس کے لئے اس کا خود نفس واعظ ہو تو خدائے تعالیٰ ایک نگہبان اس پر مقرر فرما دیتا ہے جو لغزشوں سے اس کو محفوظ رکھتا ہے " ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابو بکرؓ سے تمام صحابہ جو راضی تھے اس کی یہی وجہ تھی کہ خدائے تعالیٰ کو انہوں نے راضی کر لیا تھا ۔

یہ چند روایتیں گویا "مشتے نمونہ از خروارے " ہیں ، ان کے سوا اور بہت سی روایتیں کتب احادیث میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اپنے سے افضل اور مستحق خلافت سمجھتے تھے اور ان کی اطاعت کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے ۔

ثبوت خلافتِ خلفاء ثلاثہؓ :

اب چند آیات بھی دیکھ لیجئے جن سے خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت ہوتا ہے ، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے **هو الذی جعلكم خلائف الارض و رفع بعضكم فوق بعض درجات ليبلوكم فيما آتاكم** یعنے " وہی اللہ ہے

جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور بعض کے درجے بعضوں سے بلند کیے تاکہ آزمائے تمہیں مال اور جاہ میں جو تمہیں دیا ہے"۔ دیکھئے اس آیت شریفہ میں گویا حق تعالیٰ اپنے علم ازلی کا اظہار فرماتا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو زمین کے خلیفہ بنایا جن میں سے بعضوں کو مدارج عالیہ عطا فرمائے، یہ خلفائے راشدین کی طرف اشارہ ہے۔ اور ارشاد ہے کہ مقصود اس سے خلفاء کی آزمائش ہے، چنانچہ خلفائے راشدین اس آزمائش میں کامل طور پر کھرے ثابت ہوئے جیسا کہ کتب سیر و تواریخ سے ظاہر ہے۔ انہوں نے ہر کام میں مرضیات الٰہی کی اس قدر پابندی کی کہ باوجود سلطنت کے فقر و فاقہ کو اختیار کیا۔ مسلمانوں کی قلیل التعداد جماعت کے ساتھ اسلام کے حدود اتنے بڑھائے کہ بعد والے کروڑہا مسلمان بھی ان کی پوری طور پر حفاظت نہ کر سکے۔ ان حضراتؓ کی کارگزاریوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تفسیر منہاج الصادقین جو حضرات شیعہ کی معتبر تفسیر ہے اس کے صفحہ ۵۳۳ سے مولوی محمد جہانگیر خاں صاحب شکوہ آبادی مصنف تذکرۃ الخلفاء نے آیت مذکوہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ: " برہر تقدیر خطاب با اہل لمان است کہ امت مرحومہ اند و معنی آنست کہ: اے مؤمنان شمارا خلیفہ گذشتہ گردانید"۔ اور اسی میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیت **تعز من تشاء** کے تحت منہاج الصادقین میں لکھا ہے کہ: " مراد عزت بایں امت است باستیلائے دیار عرب و عجم، و مراد ذلت اہل فارس و روم و غیر ایشاں از کفار امم"۔ جب بتصریح حضرات شیعہ سے بھی ثابت ہے کہ خلفائے راشدینؓ بلکہ جمیع صحابہؓ کو خدائے تعالیٰ نے خلفاء بنایا اور ان کو عزت دی تو ایسے معزز خلفاء کی توہین و تذلیل کرنا اور ان کی خلافت کو غصبی خلافت کہنا کیوں کر جائز ہوگا۔

قولہ تعالیٰ **ولقد كتبنا فی الزبور من بعد الذكر أن الارض يرثها عبادی الصالحون** تذکرۃ الخلفاء میں تفسیر منہاج الصادقین سے نقل کیا ہے:

سعید ابن جبیر و مجاہد و ابن زید گویند کہ مراد بہ زبور از جنس کتب منزلہ ہست و ذکر لوح محفوظ یعنے در جمیع کتب آسمانی نوشتہ ایم پس ازآنکہ در لوح محفوظ ثبت کردہ بودیم یعنے حکم کردہ ایم کہ زمین دنیا را بندگان ماکہ امت پیغمبر آخر الزماں اند بمیراث گیرند یعنے بہ فتح و نصرت و اجلائے کفار دراں تصرف نمایند، بنا بر قولہ تعالیٰ **ليظهره على الدين كله** - واز حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مروی است کہ فرمود **زويت لى الارض فأريت مشارقها و مغاربها و يبلغ ملك امتى ما زوى منها** یعنے فراہم آوردہ شد برائے من ہمہ زمین پس نمودہ شدم بر مشارق و مغارب آں و زود باشد کہ برسد ملک امت من آں مقدار کہ فراہم آوردہ شدہ برائے من از زمینے" - دیکھئے اس آیت شریفہ سے ثابت ہے کہ جو حضرات ان ملکوں کو فتح کرکے بحسب وعدہ الٰہی ان کے وارث ہوئے وہ سب صلحاء تھے جس کی تصدیق علامہ مؤلف منہاج الصادقین نے بھی کی ہے۔ کیوں نہ ہو جن کو خود خدائے تعالیٰ **عبادی الصالحون** فرمادے ان میں کون کلام کر سکتا ہے؟!

اب دیکھئے کہ کل فتوحات خلفائے ثلاثہ ہی کے زمانے میں ہوئیں، جن کی عزت افزائی میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ **عبادی الصالحون** یعنے وہ خاص میرے صلحاء بندے ہیں، ان کو مرتد و کافر وغیرہ کہنا کس قدر بے ادبی ہوگی؟ اور جن کی اطاعت کرکے صحابہؓ نے یہ وراثت حاصل کی ان کو اولی الامر اور واجب الاتباع نہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ **اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولى الامر** کی رو سے علی کرم اللہ وجہہ واجب الاتباع تھے سب نے اس آیت شریفہ کی مخالفت کی جس کی وجہ سے صلحاء کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا! کس درجہ بے موقعہ ہوگا۔

قولہ تعالیٰ : الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و
آتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر" ان لوگوں (یعنے
مہاجرین) کو اگر حاکم وقت بنا کر زمین میں ہم ان کے پاؤں جمائیں تو وہ نماز کو قائم
کریں گے اور زکاۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برے
کاموں سے منع کریں گے"۔ یہ آیت شریفہ مہاجرین کی شان میں نازل ہوئی،
کیونکہ شروع آیت یہ ہے اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللّٰہ
علیٰ نصرھم لقدیر ○ الذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان
یقولوا ربنا اللّٰہ یعنے "جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں ان کو بھی کافروں سے
لڑنے کی اجازت ہے، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا ہے، اور کچھ شک و شبہہ نہیں
کہ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، وہ لوگ صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ
ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے"! اس کے بعد الذین ان مکنٰھم..... ہے
.

اہل بصیرت اس آیت شریفہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس وقت حق تعالیٰ نے
مہاجرین کی مظلومیت اور حقانیت کے لحاظ سے ان کو جہاد کی اجازت دی اس وقت
جانتا تھا کہ یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ عرب و عجم داخلِ حدودِ
اسلام نہ ہولیں، اور وقتاً فوقتاً ان کو باطنی تائید دی جائے گی۔ اور جن جن کے
ہاتھوں پر جو جو فتوحات ہونے والی تھیں وہ سب کی سب پیش نظر تھیں، ہرچند کسی
مصلحت سے ان کے نام نہیں بتائے گئے مگر اس امر کی تصریح فرمادی گئی کہ جو مظلوم
گھروں سے نکالے گئے اس مرتبہ کے ہیں کہ اگر ان کو خلافت دی جائے تو عمدگی
سے اس کو انجام دیں گے، پھر جب اس کا وقت آگیا تو غیب سے سب کے دلوں میں
القاء ہوگیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرلیں، چنانچہ ایک ہی مجلس میں یہ

معاملہ طے ہوگیا، حالانکہ مختلف قبائل مختلف مزاجوں کے خود سر ہتیار بند لوگ
وہاں جمع تھے اور مخالفتیں بھی ہوتی رہیں، مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ جھگڑا طے
ہوچکا تھا، جس کو پھر اٹھایا گیا ہے، جو صدیوں سے اب تک طے نہیں ہوسکا اور نہ
آیندہ اس کے طے ہونے کی امید ہے۔ اس تھوڑی مدت میں اتنے بڑے مہتم بالشان
و خطرناک امر کا طے ہونا بغیر اس کے کہ منجانب اللہ تائید و القاء ہو ممکن نہیں۔ اسی
کا نام "فلتۃ" ہے جس کی خبر عمر رضی اللہ عنہ نے دی ہے کانت بیعۃ ابو بکر
فلتۃ و قی اللّٰہ المسلمین شرھا یعنے "ابوبکرؓ کے ہاتھ پر جو بیعت کی گئی تھی
بے سوچے سمجھے ناگہانی تھی مگر اس کے برے اثر سے خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو
بچا رکھا"۔ کیوں نہ ہو وہ تو القائے ربانی تھا وہاں شر کو کیا دخل"! اس بلاتحفظِ
ذہنی اچانک بیعت کی وجہ یہ تھی کہ خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ ابوبکرؓ خلیفہ مقرر
ہوں، اس وجہ سے کسی کی کچھ چل نہ سکی اور دلوں میں عموماً اس کا القاء ہوگیا اور
سب نے بہ طیب خاطر بے چون وچرا اس کو مان لیا، اسی کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے بھی دی تھی جو صحیح مسلم شریف کی حدیث سے ظاہر ہے کہ فرماتے ہیں
یابی اللّٰہ و المؤمنون الا ابابکر یعنے: "نہ خدائے تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ
کے سوا کسی اور کی خلافت سے راضی ہوگا اور نہ اہل ایمان، وہ سب کسی دوسرے
کی خلافت کا انکار کردیں گے"۔

دیکھئے یہ آیت شریفہ جس وقت نازل ہوئی تھی اس وقت ممالک مقبوضۂ
اسلامیہ میں سے کوئی ملک مسلمانوں کے قبضہ میں نہ تھا، چنانچہ ان مکنٰھم
فی الارض سے بھی ظاہر ہے، اُس حالت میں خدائے تعالیٰ مہاجرین کی نسبت اپنا
اطمینان ظاہر فرماتا ہے کہ: "اگر ہم ان کو حکومت دیں اور ملک پر قابض کرادیں تو

وہ اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے"۔ اب اگر خیال کیا جائے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی اور علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابو بکرؓ کو خلیفہ بنانا "منکر" تھا اور علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانا "معروف" تھا ! تو لازم آئے گا کہ ان لوگوں نے نہ امر بالمعروف کیا نہ نہی عن المنکر کی اور خرابی اور فساد کا بیج بو دیا!! تو جب اصل ہی منکر اور فاسد ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے ثمرات و نتائج کل اسی قسم کے اور بناء الفاسد علی الفاسد ہوں گے !

اب غور کیا جائے کہ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو حکومت دیں تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے، اور خیال یہ کیا جائے کہ انہوں نے کچھ بھی نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کیا! تو یہ خیال یہ عقیدہ اس اطمینان الٰہی کے مقابلہ میں کس قدر بدنما اور شرانگیز ہوگا ؟! غرضکہ جس زمانہ میں ملک ان کے قبضہ میں دیا جارہا تھا اور اسلامی فتوحات ہو رہی تھیں اس وقت جن کو انہوں نے خلیفہ بنانے کا حکم کیا وہ بحسب نص قطعی "امر بالمعروف" تھا، اور اگر ان کے خلاف میں کسی دوسرے کو خلیفہ بنانے کا کسی نے ارادہ کیا ہوگا جس سے انہوںؓ نے منع کیا ہوگا تو وہ "نہی عن المنکر" تھی

قولہ تعالیٰ وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم و لیبدلنّھم من بعد خوفھم امناً یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً : "وعدہ دیا اللہ نے کہ جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کئے البتہ حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا

ان سے اگلوں کو، اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جس کو پسند کر دیا ان کے واسطے، اور دے گا ان کے ڈر کے بدلے میں ان کو امن، وہ میری بندگی کریں گے اور شریک نہ کریں گے میرا کسی کو"۔

تذکرۃ الخلفاء میں لکھا ہے کہ منہاج الصادقین جو شیعہ کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے : لیستخلفنھم ہر آئینہ خلیفہ گرداند ایشاں را، ایں جواب قسم مضمر است تقدیرہ وعد اللہ و أقسم لیستخلفنھم (مطلب یہ کہ خدائے تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صحابہ کو زمین کا خلیفہ بنادے گا۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ :) در اندک فرصتے حق تعالیٰ وعدۂ مؤمنان وفا نمودہ جزائر عرب و دیار کسریٰ و بلاد روم بدیشاں ارزانی داشت و لیمکنن لھم ہر آئینہ ممکن و ثابت سازد و باقوت گرداند برائے مؤمنان صالح دینھم دین ایشاں را مراد دین اسلام است الذی ارتضیٰ لھم آں دینے کہ پسندیدہ و برگزیدہ است برائے ایشاں یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً یعنے خلافت و حکومت و جاہ، ایشاں را از توحید و عبادت باز ندارد، ایں دلیل اعجاز قرآن و حجت صحت نبوت آں قدوۃ عالمیان است چہ ایں اخبار است از غیب و معلوم نمی شود مگر بوحی۔

دیکھئے خدائے تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صحابہ کو خلافت دے گا، اور جس دین کو ان کے لئے پسند فرمایا اس میں ان کو ثابت قدم کرے گا، اور باتفاق شیعہ و سنی یہ وعدہ اُسی زمانہ میں پورا ہوا، جیسا کہ منہاج الصادقین سے ابھی معلوم ہوا یعنے بمصداق لیستخلفنھم فی الارض کے مہاجرین میں سے ابو بکر اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو حق تعالیٰ نے خلافت بھی دی اور بلاد عرب و عجم وغیرہ کو ان کے زیر فرمان بھی کیا، کیونکہ اُنہیں حضرات کے عہد حکومت میں یہ ممالک فتح ہوئے۔ اور بہ مصداق لیمکنن لھم دینھم ان کو اور اُن کے ہاتھ پر بیعت

کرنے والوں کو دین میں ثابت قدم بھی کیا۔ ورنہ عرب و عجم، یورپ اور افریقہ کے کروڑ ہا کفار کے مقابلہ میں چند صحابہؓ کی ہستی ہی کیا جو سر بر ہو سکتے! اور بمصداق **لیبد لنهم من بعد خو فهم امناً** کے جو خوف ان کو قبائل عرب اور سلاطین عجم اور بادشاہان یورپ و افریقہ سے تھا اس کو دفع کرکے ان کو پرامن اور مطمئن بنادیا۔ اب ان تمام وعدوں کے پورے ہونے کے بعد یہ کہنا کہ "مسئلۂ امامت کا فیصلہ نہ ہوا اور بغیر امام برحق کے یہ سب کام ہوگئے"! یا یہ کہنا کہ "سب وعدے تو پورے ہوئے مگر خلیفہ بنانے میں غلطی ہو گئی"! اس آیت شریفہ کے کس قدر خلاف ہو جاتا ہے۔

"**منهاج الکرامة**" جو حضرات شیعہ کی معتبر اور معتمد علیہ کتاب ہے اس کی ابتداء میں لکھا ہے کہ **مسئلة الامامة التی یحصل بسبب ادراکها نیل درجة الکرامة وهی احد ارکان الایمان المستحق بسببه الخلود فی الجنان و التخلص من غضب الرحمان، فقد قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیه و سلم من مات و لم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة** یعنی: "مسئلہ امامت ایمان کا ایک رکن ہے، جس نے خلیفہ برحق کو مانا وہ جنتی ہوا اور خدا کے غضب سے چھوٹا، اور جس نے اپنے زمانہ کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرے گا"۔ اگر اس تقریر کے لحاظ سے یہ کہا جائے کہ "اس وقت صحابہ نے مسئلہ امامت پر غور نہ کیا اور خلیفہ برحق کو خلیفہ نہ بنایا اسی وجہ سے ان کے دین میں ایک ایسا نقص رہا ہے کہ ان کے ایمان کا ایک رکن ہی فوت تھا اور ان کی موت جاہلیت کی موت ہوئی"! تو لازم آئے گا کہ خلفائے ثلاثہ کو خدائے تعالیٰ نے خلیفہ نہیں بنایا بلکہ لوگوں نے (جن میں علیؓ اور صاحبزادے بھی تھے) خدا و

رسول کی مخالفت کرکے خلاف وصیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو خلیفہ بنالیا، اور ہرچند خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بحسب وعدہ اتنے بڑے ممالک ان کو فتح کرا دیے جن کا ان سے فتح ہونا عادۃً محال تھا، مگر اتنا نہ ہوا کہ حسب وعدہ خلیفہ برحق کو خلیفہ بنائے جس کی وجہ سے انکا دین خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا اور موت جاہلیت سے وہ نجات پاتے!! آیات مذکورہ اور دوسری آیتوں میں تو صحابہؓ کی بڑی بڑی تعریفیں ہیں ان کی نسبت یہ خیال کرنا کہ "وہ جاہلیت کی موت مرے" اور وہ معاذ اللہ "بے ایمان یا ناقص الایمان تھے" کس قدر گستاخی ہے

اہل انصاف اس آیت شریفہ میں اور تفسیر منہاج الصادقین کی عبارت میں ادنیٰ تامل کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ: خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اور امامت برحق تھی، اور کل صحابہؓ کو اپنے امام کی معرفت پوری پوری حاصل تھی، اور ان کا ایمان کامل تھا، کوئی رکن ایمان کا ان سے فوت نہیں ہوا، اور جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا وہ مطابق مرضی الٰہی تھا۔

جب ہم نصوص قطعیہ پر غور کرتے ہیں تو ان میں جتنے وعدے ہیں بحسب واقعات متفقہ شیعہ و سنی سب خلفائے ثلاثہ اور ان کے متبعین پر صادق آتے ہیں؛ اور وقائع گواہی دے رہے ہیں کہ جتنی تعریفیں اور وعدے نصوص قرآنی میں وارد ہیں سب انہیں کے حق میں ہیں، اگر ان نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں کسی اور نص قطعی میں یہ ہوتا کہ علی کرم اللہ وجہہ سب سے پہلے خلیفہ ہوں گے تو البتہ نصوص میں تعارض واقع ہوتا، مگر ایسا نہ ہوا۔ اس لئے نصوص قطعیہ کی مخالفت ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔

شرائط جہاد :

کلینی میں ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے شرائط جہاد و مجاہدین پوچھے گئے ؟ آپ نے صحابہ کے اوصاف و فضائل میں جو آیتیں قرآن شریف میں وارد ہیں پڑھیں اور فرمایا کہ اس قسم کے لوگ جہاد کر سکتے ہیں، اور اس کے شرائط بیان کئے، اس کے بعد پوچھا گیا کہ آیت شریفہ **اُذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا** سے جہاد کی اجازت تو انہیں مظلوموں کو دی گئی تھی جو مکہ سے نکالے گئے تھے پھر قیصر و کسریٰ اور مشرکین عرب سے جو جہاد کیا گیا اس کی کیا وجہ ؟ فرمایا **و ظلم قیصر و کسریٰ و من کان دونھم من قبائل العرب و العجم بما کان فی ایدیھم مما کان المؤمنون أحق بھم منھم فقد قاتلوھم باذن اللہ عزوجل و الحجۃ ھذہ الآیۃ** یعنے : " قیصر و کسریٰ اور دوسرے قبائل عرب و عجم کا یہ ظلم تھا کہ جو ملک ان کے ہاتھ میں تھے ان کے مستحق اہل اسلام تھے اور وہ ان کو دینا نہیں چاہتے تھے اس لئے اس آیت کی دلیل سے بہ اجازت خدائے تعالیٰ صحابہؓ نے ان سے جہاد کیا " ۔ اس سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلاثہ نے بہ اجازت الٰہی قیصر و کسریٰ وغیرہ سے جہاد کیا اور کل شرائط ان حضرات میں موجود تھے ۔ اور حدیث شریف **من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ** سے بھی مقصود یہی ہے کہ جہاد وغیرہ امور امام وقت کی رائے سے ہوں جو متمم شرائط جہاد ہے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ جو خلفاء ثلاثہ کے ممد و معاون تھے جانتے تھے کہ وہ اپنے وقت کے امام برحق ہیں ۔

کلینی کے صفحہ ۴۸ میں روایت ہے کہ **من اصبح من الامۃ و لا امام**

له ظاهراً فهو ضال اس سے ظاہر ہے کہ " امام ظاہر " کی اطاعت ضروری اور فرض ہے، چونکہ اس وقت ابو بکرؓ وغیرہ امام ظاہر تھے اس لئے علیؓ ان کی اطاعت نہ کرنے کو گمراہی سمجھتے تھے ۔

الحاصل خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت آیات و احادیث و اجماع صحابہ اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اعتراف اور قرائن حالیہ و مقالیہ سے ثابت ہے، اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلافت نہ ملنے کی وجہ سے خلفائے ثلاثہ سے ناراض اور ان کے مخالف رہے اس کا کوئی ثبوت نہیں، برخلاف اس کے ان حضرات کے ساتھ خلوص و اتحاد متعدد قرائن و روایات سے ثابت ہے ۔ اس سے زیادہ کیا ہو کہ عمرؓ کے ساتھ اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے ۔

تاریخ الخلفاء میں دار قطنی سے منقول ہے اور نیز تاریخ کامل میں علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ جب ابو بکرؓ جہاد کی غرض سے سوار ہو کر مدینہ سے باہر نکلے تو علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے ناقہ کی مہار پکڑ لی اور کہا کہ : اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہاں جاتے ہیں ؟ آپ کو میں وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کے روز آپ سے فرمایا تھا کہ " تلوار کو میان میں کرو اور ہم پر اپنی جدائی کی مصیبت نہ ڈالو " اب آپ مدینہ کو واپس چلیں، خدا کی قسم اگر آپ کی مفارقت کا درد و الم ہمیں ہو یعنے آپ شہید ہو جائیں تو اسلام میں پھر کبھی انتظام نہ ہو گا ۔ چنانچہ آپؓ واپس ہوئے اور لشکر کو روانہ کر دیا ۔ یہ تھی علی کرم اللہ وجہہ کی محبت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ! اور اسلام کی غمخواری کہ ان کا دار الخلافہ سے جدا ہونا گوارا نہ ہوا ۔ اور یہ غمخواری اور ہمدردی صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی

کہ ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی آپ نے اسی قسم کی ہمدردیوں کا اظہار کیا جیسا کہ نہج البلاغہ کے صفحہ ۱۳۰ میں بھی مذکور ہے۔

صحابہؓ کرام کا قلبی اتفاق :

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۱۵۷ میں لکھا ہے کہ : ابو بکرؓ جب ملک عرب کے انتظام اور مرتدوں کی تنبیہ اور سرکوبی سے فارغ ہوئے اور اس خیال میں تھے کہ روم پر چڑھائی کی جائے، شرجیلؓ ایک روز صبح ہی آئے اور کہا کہ آپ روم کی فتح کا ارادہ کیوں نہیں فرماتے؟ کہا : مجھے بھی کئی روز سے اس کا خیال آرہا ہے مگر تم جو اس وقت تحریک کر رہے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا : آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ ایک پہاڑ پر ہیں اور میں بھی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوں پھر میں ایک مکان پر چڑھا اور وہاں سے ہموار زمینوں اور شہروں پر جارہا ہوں اور آپ نے ان کے لوٹنے کا حکم دیا ہے، میرے ہاتھ میں اس وقت ایک سبز علم تھا، میں کسی گاؤں پر گیا وہاں کے لوگوں نے مجھ سے امن طلب کی اور میں نے دی، پھر جب میں وہاں سے آپ کے پاس آیا تو آپ کو ایک حصار میں پایا جس کو آپ ہی نے فتح کیا تھا، آپ وہاں سونے کی کرسی پر تشریف رکھتے ہیں اور ایک شخص آپ کے پاس سورہ انا فتحنا پڑھ رہا ہے۔ ابو بکرؓ نے خواب کی تعبیر دے کر مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا کہ : خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو متفق اور ہمارے دلوں کو ایک دوسرے کے موافق کیا، اب میرا خیال ہے کہ روم کی طرف لشکر روانہ کروں اس باب میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے؟ عمرؓ نے کہا کہ یہ سب جانتے ہیں کہ کسی کو آپ پر سبقت نہیں، خدائے تعالیٰ کا فضل آپ کی رفاقت دے

گا، مناسب ہے کہ لشکر روانہ فرمائیں، حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ملک اور دوسرے ملک کی فتح کا وعدہ فرمایا ہے۔ اسی طرح عثمانؓ، عبد الرحمان بن عوفؓ، طلحہؓ، زبیرؓ وغیرہ کبار صحابہ رضی اللہ عنہم نے تقریریں کیں، پھر ابو بکرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ : اے ابو الحسن آپ اس باب میں کیا فرماتے ہیں؟ کہا کہ خواہ آپ بہ ذات خود جائیں یا لشکر بھیجیں آپ کو فتح ہوگی! کہا یہ کس دلیل سے آپ کہتے ہو؟ کہا : یہ بات میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ابو بکرؓ نے یہ حدیث سن کر فرمایا : اے مسلمانو! علی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے وارث ہیں۔

دیکھئے اس روایت سے جو حضرات شیعہ کے پاس بھی مستند ہے کس وضاحت سے ثابت ہو رہا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو ابو بکرؓ کے ساتھ دلی اتفاق اور صفائی تھی! کیونکہ جب ابو بکرؓ نے اس بات پر شکر ادا کیا کہ "ہم سب کے دل متفق اور موافق ہیں" تو علی نے یہ نہیں فرمایا کہ : مجھے تمہارے ساتھ اتفاق اور موافقت نہیں ہے! اور کیونکر آپؐ خلاف واقعہ یہ خبر دیتے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آپؐ میں اور صدیق اکبر اور عمرؓ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کی الفت اور محبت تھی جس کی خبر خود خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں دی ہے ھو الذی أیدک بنصرہ و بالمؤمنین و ألف بین قلوبھم لو أنفقت ما فی الارض جمیعاً ما ألفت بین قلوبھم و لکن اللہ ألف بینھم انہ عزیز حکیم یعنے "اے نبی خدا ہی نے اپنی نصرت سے اور مسلمانوں سے آپ کی مدد کی، خدا نے مسلمانوں کے دلوں میں باہمی الفت ڈالدی، تمام زمین میں جو کچھ ہے اگر آپ خرچ کر کے ان کے دلوں میں الفت ڈالنا

چاہتے تو بھی نہیں ہو سکتا تھا لیکن خدا نے ان میں باہمی الفت دی، یقیناً خدائے تعالیٰ
غالب و حکمت والا ہے"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا
تفرقوا واذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذ کنتم أعداءً فألّف بین
قلوبکم فأصبحتم بنعمتہٖ اخواناً یعنے: "اللہ کی رسی یعنے دین کو تم سب
مضبوطی سے پکڑے رہو اور متفرق مت ہو جاؤ، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو
خاص تم سے متعلق ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے خدائے تعالیٰ
نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت ڈال دی اور اس نعمت کی وجہ سے تم آپس میں
بھائی بھائی ہوگئے"۔ دیکھئے خدائے تعالیٰ کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے
درمیان قبل از یں زمانہ جاہلیت میں اس قدر دشمنی تھی کہ اس کے بعد دوستی ہونا
محال تھا، پھر جب خدائے تعالیٰ نے بعہد اسلام ان میں الفت پیدا کر دی تو اس قدر
کہ آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔ اب کہئے کہ باوجود ایسی معتبر شہادت الٰہی کے کیا یہ
خیال ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے دلوں میں باہمی
کدورتیں تھیں؟! اگر خدائے تعالیٰ کی شہادت کے بعد بھی کوئی کہے کہ ان کبار
صحابہؓ کے دلوں میں باہمی کدورت تھی تو اس کا جواب نہیں۔ پھر اس محبت کے آثار
بھی ظاہر ہیں جو خارج از قیاس ہیں کہ تمام ملک عرب بلکہ تمام دنیا ایک طرف اور
یہ چند صحابہؓ ایک طرف اور پھر غلبہ بھی انہیں کا رہا۔ اگر سب یکدل نہ ہوتے تو
ممکن نہ تھا کہ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و تائید ہو سکتی۔ اسی وجہ
سے حق تعالیٰ نے مدد کے موقعہ پر ان کی الفت باہمی کا ذکر فرمایا۔ اور دوسرے
موقعہ پر فرمایا ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم یعنے آپس میں جھگڑے

مت کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ
ان میں مخالفت اور جھگڑے نہ تھے ورنہ بزدل ہو جاتے اور ہوا اکھڑ جاتی اور مغلوب
ہو جاتے۔

اور ان تمام آیتوں پر غور کرنے سے بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ ابوبکر و
عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تائید ہوئی
فی الحقیقت حضرتؐ ہی کی تائید تھی۔ اس کا اصلی سبب مسلمانوں کی باہمی یکدلی
واخوت اور اتفاق تھا، اسی وجہ سے تمام ملک عرب کو از سر نو فتح کر لیا، اس کے بعد
شام، عراق، افریقہ جیسی وسیع اور باقاعدہ سلطنتوں کو فتح کر کے وہاں اسلام کا جھنڈا
بلند کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو الفت اور اخوت باہمی کل صحابہ
میں عطا کی تھی اس وقت موجود تھی، ورنہ بحسب آیت شریفہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ
جاتی۔ اس وقت تک کسی قسم کی مخالفت عموماً صحابہ اور خصوصاً کبار صحابہؓ کے
دلوں میں آئی ہی نہ تھی، پھر جب عثمانؓ کی شہادت کے بعد مخالفت پیدا ہوئی تو
خلیفہ برحق یعنے علی کرم اللہ وجہہ سے صرف ایک ملک شام تک فتح نہ ہو سکا، یہ نکبت
باہمی مخالفت اور قلبی تفرق کی تھی۔

اہل انصاف کو ان قرائن پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ
جتنی روایتیں علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کی باہمی مخالفت کی
بیان کی جاتی ہیں سب ابن سبا کی بنائی ہوئی ہیں جس کی دسیسہ کاریوں کا حال
ان شاء اللہ آیندہ معلوم ہوگا۔

غرضکہ اسی بناء پر ابوبکرؓ نے علیؓ کو مشورہ میں شریک کیا جو لازمۂ اتفاق و
اتحاد ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اور آپ نے بھی اس علم کو جو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے سینہ بہ سینہ پہونچا تھا وقت پر ظاہر فرمادیا کہ "خواہ آپ جائیں یا لشکر بھیجیں آپ ہی کی فتح ہے" ۔ اب کہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر مجمعوں میں یہ خبر دی تھی کہ کسریٰ اور قیصر کے خزانے مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں گے ۔ اور خاص طور پر علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ یہ ملک ابو بکرؓ کے ہاتھ پر فتح ہوں گے ، تو اب آپ کی خلافت کے برحق ہونے میں کون سی کسر رہ جائے گی ؟! شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ سپہ سالاری کی حیثیت سے یہ فتوحات ہوں گے ، مگر یہ احتمال علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ آپ نے صاف بیان کر دیا جس کا حال آیندہ معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی جن کو خلیفہ بنانے کا حق ہے ۔

اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو کیوں دی تھی اور اس علم سینہ بہ سینہ کے لئے آپ کی کیا خصوصیت تھی ؟ بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ مسئلۂ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں راز سربستہ رہے اور کسی کی دل شکنی نہ ہو ، کیوں کہ اگر حضرتؐ کسی ایک کو اپنے اہل بیت یا رفقاء یا جانبازوں میں سے اپنا جانشین مقرر فرمادیتے تو بہتوں کی دل شکنی ہوتی ، مثلاً علی کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرماتے تو اوروں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ ان تمام جانفشانیوں سے حضرتؐ کا مقصود معاذاللہ یہی تھا کہ اپنے خاندان میں سلطنت قائم کر جائیں جیسے دنیاداروں کا دستور ہے ۔ اگر نبوت آسمانی ہوتی تو دنیاداروں کی طرح اہل خاندان کی خصوصیت نہ ہوتی ۔ علیٰ ہذا القیاس جس کو مقرر فرماتے لوگوں کی دل شکنی ضرور ہوتی ، کیوں کہ آدمی کی طبیعت میں حسد اور تعلی کا مادہ رکھا گیا ہے ، ہرچند فیضان صحبت سے صحابہ

رذائل نفسانیہ سے دور اور پاک ہوگئے تھے مگر باقتضائے بشریت صفات بشریہ کا کبھی کبھی بعض صحابہ میں دورہ ہو بھی جاتا تھا ، اسی وجہ سے کسی صحابی کو اہل سنت معصوم نہیں سمجھتے ۔ اور اگر اصحاب نفوس قدسیہ کی دل شکنی نہ بھی ہوتی تو ان کے قرابتدار اور قبیلے والوں کی ہوتی ۔

بہر حال آپؐ کی مروت اور مصلحت کا اقتضا یہی تھا کہ یہ مسئلہ وفات شریف تک مبہم رہے ۔ مگر چونکہ علم الٰہی میں یہ امر طے شدہ تھا کہ ابو بکرؓ خلیفہ ہوں گے جس کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی ، آپ کو منظور ہوا کہ امت کو بھی اس کی اطلاع رہے ، چونکہ علی کرم اللہ وجہہ بحسب حدیث شریف "امام الاولیاء" ہیں اور اولیاء اللہ کو اخفاء راز اور حفاظت اسرار کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے اس وجہ سے یا کسی اور وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کے لئے آپ کو مخصوص فرمایا اور علیؓ نے بھی اس راز سربستہ کو اس وقت تک مخفی رکھا جب تک کہ اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ، کیونکہ اگر اس وقت بھی ظاہر نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ قلت اہل اسلام ، اور کثرت اعداء کی وجہ سے ہمتیں پست ہوجاتیں ۔

غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ ابو بکرؓ کی خلافت اور اس کے لوازم یعنے اشاعت اسلام کو جو ان کے ہاتھ پر ہونے والی تھی بخوبی جانتے تھے اسی وجہ سے آپ نے کبھی دعوائے خلافت نہیں کیا ، ورنہ ممکن نہ تھا کہ آپ اپنے اسلامی حق کو چھوڑ بیٹھتے ۔ یا آپ سے مقابلہ کر کے کوئی اس کو چھین سکتا ، کیوں کہ آپ کی ذات میں ایسے اسباب جمع تھے کہ ان کے مقابلہ میں کسی کا سربر ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں ۔ بہر حال روایت سابقہ سے ثابت ہے کہ علی کرم وجہہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

معلوم کروادیا تھا کہ ابو بکرؓ کو ہر ہر موقعہ پر فتح ہو گی۔

اسی قسم کی یہ روایت بھی ہے جو ناسخ التواریخ کی جلد دوم کے صفحہ (۱۸۹) میں ہے کہ جب ابو بکرؓ نے دیکھا کہ مہاجرین و انصار روم کے مقابلہ کے لئے کافی نہیں ہیں تو سرادران یمن کے نام احکام بھیجے کہ : میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو شام کی طرف اس غرض سے روانہ کروں کہ سرکشوں سے اس ملک کو خالی کرالیں، جن کو اسلام کی اشاعت میں کوشش وجانفشانی کا خیال ہو وہ اپنی خوشی سے یہاں آجائیں۔ یہ احکام انسؓ کو دیکر فرمایا کہ بہت جلد سرداران یمن کو پہونچا کر ان کے جواب لے آؤ، چنانچہ انہوں نے تھوڑے عرصہ میں واپس آکر کہا کہ سب آنے کو تیار ہیں، چنانچہ دوسرے ہی روز سے قبیلوں کی آمد شروع ہو گئی، پہلے قبیلہ حمیر سامان جنگ سے نہایت آراستہ وپیراستہ ہو کر مع زن وفرزند پہنچا۔ ابو بکرؓ ان کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ "جب قبیلہ حمیر اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر آئیں تو مسلمانوں کو خوش خبری دو کہ خدائے تعالیٰ ان کو فتح دے گا" علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس حدیث کی تصدیق کی اور فرمایا کہ : ایسا ہی ارشاد نبوی ہوا ہے۔ ہر چند اس میں ابو بکرؓ کی خلافت کا ذکر نہیں مگر نشانی ایسی بتلائی گئی کہ اس سے آپ کی خلافت ثابت ہوتی ہے، اس لئے کہ قبیلہ حمیر کو کیا ضرورت تھی کہ یمن سے روم کو فتح کرنے جائے جب تک کہ کوئی خلیفۂ وقت ان کو حکم نہ کرے اور دوسرے قبیلوں کی حمایت اور مدد نہ ہو، جس کے لئے خلیفۂ وقت کی تائید اور سرپرستی کی اشد ضرورت ہے۔

غرضکہ یہ عظیم الشان کام بغیر خلیفۂ وقت کے ممکن نہیں، پھر ان کے اجتماع کو مسلمانوں کے فتح کی علامت قرار دی جس کی وجہ سے ابو بکرؓ خوش ہوئے

اور علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی تصدیق کی۔ جب صدیق اکبرؓ کے حکم پر ان کا آنا اور علیؓ کی تصدیق سے ان کا اجتماع علامتِ فتح ہونا مسلمانوں پر ثابت ہو گیا ہوگا تو لامحالہ راہ سے صحابہ کو ابو بکرؓ کی خلافتِ حقہ پر کس قدر وثوق ہوا ہوگا!! و پھر جب اس کا مشاہدہ بھی ہو گیا کہ لاکھوں کے مقابلہ میں تھوڑے تھوڑے صحابہؓ مظفر و منصور ہوتے گئے تو اس مشاہدے کے بعد صدیق اکبرؓ کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت اور باعث خوشنودی خدا و رسول ہونے میں کس کو کلام ہوگا؟! اسی وجہ سے جس طرح صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے حکم پر جان دینے کو شہادت اور باعث حیات ابدی سمجھتے تھے ابو بکرؓ کے حکم پر بھی سمجھتے تھے۔

دیکھئے باوجودیکہ آپ کی ابتدائی خلافت یعنے سنہ ۱۱ھ سے کبھی آسایش نہ ملی اور آنحضرتؐ کے انتقال کے ساتھ تقریباً کل ملک عرب مرتد ہو گیا تھا صرف اہل حرمین مسلمان رہ گئے تھے جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۱۱) میں لکھا ہے، اور مسیلمہ کذاب و طلحہ و سجاح وغیرہ مدعیان نبوت ہزاروں کی فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے، چند مہاجرین و انصار نے جن کا تناسب باشندگان ملک عرب کے ساتھ عشر عشیر کا بھی نہیں تھا ان سرکشوں اور ہر ایک مرتد قبیلے کے ساتھ نہایت سرگرمی سے مقابلہ کیا اور سب کو ہزیمت دے کر از سر نو تمام ملک عرب پر قبضہ کیا، جس میں تقریباً دو سال شبانہ روز آتش حرب مشتعل رہی۔ اس سے ہنوز فراغت نہیں ہوئی تھی کہ صدیق اکبرؓ نے حکم دے دیا کہ ملک عراق پر چڑھائی کی جائے! اور اس کے ساتھ ہی ملک شام اور روم کی عظیم شہنشاہیت پر فوج کشی کے لئے آمادہ ہو گئے! اس وقت کسی نے بھی نہ کہا کہ حضرت جنگ عرب سے اب تک ہمارے زخم بھی چنگے نہیں ہوئے کہ آپ ایسی

عظیم سلطنتوں کے مقابلہ میں ہمیں بھیجتے ہو کہ ہم کو ان کے ساتھ کسی بات میں کوئی مناسبت ہی نہیں، ان کی افواج قاہرہ کے مقابلہ میں ہمارا لشکر عشر عشیر بھی نہیں، ان کی طرف سامان حرب ضرورت سے زیادہ ہے اور ادھر بے سامانی انتہا کی حق تعالیٰ فرماتا ہے **و أعدوا لهم ما استطعتم من قوة و من رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم** یعنے " اے مسلمانوں جہاں تک تم سے ہوسکے سامان جنگ اور گھوڑے تیار کر رکھو جس سے تمہارا خوف کفار کو ہو" بجائے اس کے کہ ہمارا خوف ان پر طاری ہو ہم پر وہ ہنسیں گے! پھر خدائے تعالیٰ نے ہم لوگوں پر رحم کرکے فرمایا **الآن خفف الله عنكم و علم ان فيكم ضعفاً فان يكن منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين** یعنے دو کے مقابلہ میں ایک لڑسکتا ہے، اور آپ ایک کو سو کے مقابلہ میں بھیجنا چاہتے ہیں جو بالکل قرآن کے خلاف ہے!!

غرضکہ خلیفۂ وقت کے حکم کو وہ خدا و رسول کا حکم سمجھتے تھے، اگر ذرا بھی آپکی خلافت میں شک ہوتا تو اس خطرۂ جان کے موقعہ پر ہرگز حکم نہ مانتے اور مذکورہ نصوص قطعیہ پیش کرکے پہلو تہی کرلیتے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ اگر آپ کی خلافت کو حق نہ سمجھتے تو ضرور فرماتے کہ خلیفۂ ناجائز کے حکم پر جان دینی ہرگز جائز نہیں! اگر برملا کہنے میں تامل تھا تو کم سے کم اپنے احباب کو تو کسی طرح روک لیتے، حالانکہ جو حضرات آپؓ کے جان نثار سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ان معرکوں میں شریک تھے۔

بہرحال صحابہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین سمجھتے اور نہایت تعظیم کرتے تھے، چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم کے صفحہ

۱۹۰ میں لکھا ہے کہ جب ابوبکرؓ نے یزید ابن ابی سفیان کو ایک ہزار کے لشکر کا افسر بناکر شام کو بھیجا اور وہ سب سوار ہوکر روانہ ہوئے تو آپؓ ان کی مشایعت کی غرض سے پیادہ پا ساتھ ساتھ چلنے لگے، انہوں نے کہا : حضرت ہم لوگ خدا کے غضب سے ڈرتے ہیں یا تو آپ بھی سوار ہوجائیں یا ہمیں پیادہ ہونے کی اجازت دیں! آپؓ نے فرمایا : میں خدا کی راہ میں چل رہا ہوں۔ دیکھئے ان حضرات کا کیسا قوی اعتقاد تھا کہ ادنیٰ سی بے ادبی کو بھی باعثِ غضبِ الٰہی سمجھتے تھے اور ابوبکرؓ کی کس قدر وقعت تھی کہ ان کے پیادہ پا چلنے میں سواروں نے غضب الٰہی کا خیال کرلیا تھا۔

جس طرح ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلوص تھا اسی طرح حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی تھا، جیسا کہ واقعات ذیل سے ثابت ہے: ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ (۲۷۸) میں لکھا کہ : جب مسلمانوں نے حمص تک فتح کرلیا اور بڑے بڑے نامی افسروں کو قتل کیا تو شہنشاہ ہرقل نے چاہا کہ سلطنت کی پوری قوت عرب کے مقابلہ میں صرف کرے، چنانچہ اپنے ملک کے پانچ بادشاہوں کو بلاکر آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار فوج ان کے ماتحتی میں دی اور نہایت عار دلاکر مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیا، اور اسلامی فوج وہی شکستہ حال زخمی جو روزانہ جنگ کرتی ہوئی قدم بڑھائے جاتی تھی کل تخمیناً تیس ہزار کی تعداد میں تھی، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کمال پریشانی سے حالتِ موجودہ لکھ کر خلیفۂ وقت عمرؓ سے کمکی فوج کی درخواست کی جب ان کا خط پڑھا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا " **لا حول و لا قوة الا بالله** " اس کے بعد صحابہ سے خطاب کرکے کہا : اس صورت حال میں آپ صاحبوں کی کیا رائے ہے؟ اگر کہئے تو میں خود مسلمانوں کو لے کر ان کی مدد کو

جاؤں؟ علیؓ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت اور ان کی فتح کا کفیل
ہو گیا ہے آپ کا جانا مناسب نہیں۔

نہج البلاغہ صفحہ (۱۳۰) میں مذکور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے روم کے مجاہدین
کے ہمراہ خود بھی بنفس نفیس جانا چاہا تو حضرت علیؓ نے کہا انک متیٰ تسیر الیٰ
هذا العدو بنفسک فتلقهم فتنکب لاتکن للمسلمین کانفة دون
اقصیٰ بلادهم لیس بعدک مرجع یرجعون الیه فابعث الیهم رجلاً
مجرباً و أحضر معه اهل البلاء و النصیحة فان أظهر الله فذاک
ما تحب، و ان تکن الاخری کنتَ ردءاً للناس و مثابة للمسلمین یعنے
"اگر آپ اپنی ذات سے کفار کی طرف جائیں اور خدانخواستہ آپ کو ہزیمت ہو تو پھر
مسلمانوں کا بچاؤ مشکل ہے اور آپ کے بعد ان کی کوئی پناہ گاہ نہ ہوگی جس کی
طرف وہ رجوع کریں، اس لئے کسی تجربہ کار شخص کو روانہ کیجئے۔ اگر اس کو فتح اور
غلبہ ہوا تو آپ کا مقصود برآیا، وگرنہ آپ ان کی مدد کروگے اور ملجا و ماویٰ بنے
رہوگے"۔ دیکھئے اس مشورہ سے کیسی محبت اور خیر خواہی آپؓ کی ظاہر ہوتی ہے،
اگر معاذ اللہ آپؓ کے دل میں ذرہ برابر بھی کدورت ہوتی تو عمرؓ کو روانہ کردینے کا
اچھا موقعہ تھا کیونکہ ان کا بھی خیال جانے پر آگیا تھا۔ علیؓ کا کلام پر کمالِ اقتدار اور
اس کی فصاحت و بلاغت اظہر من الشمس ہے ایک آدھ توجیہ ایسی بیان کردیتے کہ
عمرؓ کا وہ خیال مستحکم ہوجاتا، عقلاء ایسے مواقع میں رائے دے کر اپنے کام نکالا کرتے
ہیں۔ چنانچہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ: ایک دفعہ علی کرم اللہ وجہہ معاویہ کی
فوج کو چیرتے پھاڑتے معاویہ کے خیمہ تک پہونچ گئے اور بہ آواز بلند فرمایا: اے
معاویہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم تم دونوں اپنی ذاتوں سے مقابلہ اور معرکہ آرائی کرلیں جو

غالب ہوگا اس کی فتح سمجھی جائے گی! معاویہ یہ سن کر چپ ہوگئے، عمرو ابن عاص نے
کہا اے معاویہ علیؓ بات تو ٹھیک کہتے ہیں! انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ تم
چاہتے ہو ان کے مقابلہ میں میرا خاتمہ ہوجائے!! تعجب نہیں کہ عمرو ابن عاص کو اس
رائے سے وہی مقصود ہو جو معاویہؓ نے خیال کیا تھا۔ غرضکہ علی کرم اللہ وجہہ کو
رائے دینے کا اچھا موقعہ مل گیا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو دار السلطنت سے روانہ
کرکے کوئی کارروائی کرتے، مگر ان کو اس کا خیال ہی نہ تھا اس لئے سچی خیر خواہی
اور کمال خلوص سے یہ رائے دی کہ آپ کا جانا مناسب نہیں۔ اس سے اہل انصاف
پر منکشف ہوسکتا ہے کہ ان حضرات میں خلوص تھا یا مخالفت۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے لشکر عجم کو
ہزیمت دے کر ایک حصہ، ملک پر قبضہ کرلیا اور بڑے بڑے سردار عجم کے مارے
گئے اور بہت سی غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو یزدگرد کو اس کا سخت صدمہ ہوا
اور تیس ہزار کا لشکر جن کے ساتھ تیس جنگی ہاتھی بھی تھے میدان کارزار میں بھیجا،
اور ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ہزیمت ہوگئی اور مثنیٰ ابن حارثہ جو لشکر
اسلام کے سپہ سالار تھے ان کے ساتھ صرف تین ہزار آدمی رہ گئے، انہوں نے عمرؓ
سے کمک طلب کی، امیر المؤمنین نے جریر بن عبد اللہ بجلیؓ کو مع لشکرِ مناسب روانہ
کیا، ان دونوں سپہ سالاروں یعنے مثنیٰ اور جریر میں ناچاقی ہوگئی، مثنیٰ کہتے تھے کہ میں
سابق سے سپہ سالار ہوں تم کو میری اطاعت چاہئے! جریر کہتے تھے کہ مجھے خلیفۂ وقت
نے مستقل طور پر روانہ کیا ہے میں تمہاری اطاعت نہ کروں گا! یہ مخالفت بہت کچھ
طول کھینچی، جب عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی اور دیکھا کہ مخالفتِ باہمی کا انجام برا ہے
صحابہ کرام سے مشورت کی، سب نے کہا کہ اس وقت آپ ہی کا وہاں جانا مناسب

ہے! مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ رائے قرین صواب نہیں، مناسب ہے کہ قدیم مہاجرین میں سے یا ان انصار میں سے جو جنگ بدر میں شریک تھے کسی کو منتخب فرماکر سپہ سالار مقرر کیجئے۔ عمرؓ نے کہا آپ ہی انتخاب کیجئے! آپ نے کہا سعد بن ابی وقاص اس کام کے لئے مناسب ہیں۔ چنانچہ انہیں کو عمرؓ نے سپہ سالار بناکر روانہ کیا اور سب کا اتفاق ہوگیا۔ دیکھئے اس موقعہ پر بھی کل صحابہ کی رائے تھی کہ عمرؓ خود اپنی ذات سے جائیں مگر علی کرم اللہ وجہہ کو آپ کی تکلیف گوارا نہ ہوئی اور ایسی تدبیر بتائی کہ مقصود حاصل ہوگیا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قرائن مخالفت کے ہیں یا اتحاد کے۔

روایت فتحِ بیت المقدس :

ناسخ التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۰۶ میں لکھا ہے کہ جب یرموک فتح ہوا جہاں ایک لاکھ پانچ ہزار کفار مارے گئے اور چالیس ہزار زندہ گرفتار ہوئے اور کفار کے حوصلے پست ہوگئے۔ ابو عبیدہ ابن جراح نے سرداران لشکر سے مشورہ کیا کہ اب قیساریہ پر چڑھائی کی جائے یا بیت المقدس پر؟ رائے یہ قرار پائی کہ امیر المؤمنین عمرؓ اس باب میں جو حکم کریں اس کی تعمیل کی جائے، چنانچہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے مرکز خلافت کو مراسلہ لکھا، امیر المؤمنین نے یہ مسئلہ شوریٰ میں پیش کیا، علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ بیت المقدس کو لشکر روانہ کیجئے اس کے بعد قیساریہ بھی فتح ہوجائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر مجھے دی ہے، عمرؓ نے علی رضی اللہ عنہ کی رائے اور حدیث کو لکھ کر یہ حکم لکھا کہ بیت المقدس کا ارادہ کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ فتح ہوجائے گی۔

اس قسم کی صدہا روایتوں سے ثابت ہے کہ آیندہ ہونے والے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھے، اور جن کو جو مناسب تھا ان کو خبر دی؟ علیؓ نے عمرؓ سے جو کہا کہ بیت المقدس کو لشکر روانہ کیجئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم لشکر روانہ کرو جس سے آپ کی خلافت ثابت ہوتی، اسی وجہ سے علیؓ نے خلفاء کے احکام میں دست اندازی نہیں کی صرف رائے دیتے یا کوئی فرمانِ رسالتؐ معلوم ہوتا تو نہایت خلوص سے بیان فرمایا کرتے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۳۰۹ میں لکھا ہے کہ جب قتال و جدال کے بعد بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا گیا تو کفار نے کہا کہ جب تک خلیفہ وقت عمرؓ یہاں آکر بہ ذات خود ہم سے معاہدہ نہ کریں ہم قلعہ خالی نہ کریں گے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ بغیر خونریزی کے فتح ہوجاتی ہے اس لئے امیر المؤمنین عمرؓ کو ان کی درخواست پر مطلع کیا، آپ نے صحابہؓ سے اس باب میں مشورت کی، عثمانؓ نے کہا کہ آپ کے جانے میں کفار کو نخوت پیدا ہوگی اور نہ جانے میں جس طرح دوسرے ملک اور قلعے فتح ہوئے وہ بھی فتح ہوجائے گا جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ کفار نے لڑائی سے ہاتھ روک کر جو آپ کو طلب کیا ہے یہ فتح کی علامت ہے اگر آپ جانے میں توقف کریں تو صلح میں تاخیر ہوگی [illegible] تعجب نہیں کہ بہت خونریزی ہو۔ عمرؓ نے علیؓ ہی کی رائے کو پسند کیا اور روانہ ہوئے۔

ہرچند علیؓ کی یہ رائے ان رایوں کے خلاف تھی جو آپؓ ہمیشہ دیا کرتے تھے، مگر چونکہ آپؓ کا صدق اور خیر خواہی مسلم تھی اس لئے عمر رضی اللہ عنہ نے علیؓ کی رائے پر عمل کیا......۔

ان قرائن سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ ان حضرات میں باہمی ملال کا جو
خیال کیاجاتا ہے وہ بے اصل محض ہے۔

فتحِ قیساریہ کے واقعات :

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۳۱۳ میں ہے کہ عمرؓ نے سنہ ۱۷ھ میں یزید بن
ابی سفیان کے ہمراہ چھ ہزار کا لشکر دے کر قیساریہ پر بھیجا، قسطنطین شہنشاہ ہرقل
کا بیٹا جو وہاں رہتا تھا فوج اسلام کی آمد دیکھ کر اپنے باپ سے مدد کا طالب ہوا،
باوجودیکہ خود اس کے پاس اسی ہزار ۸۰۰۰۰ کا لشکر قیساریہ میں موجود تھا ہرقل نے
مزید بیس ہزار ۲۰۰۰۰ فوج جرار مع غلہ وغیرہ اسبابِ لازمہ کے بھیجا جس سے ایک
لاکھ فوج کفار قیساریہ میں جمع ہوگئی، یزید رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو
حالتِ موجودہ کی خبر دے کر کمک کی درخواست کی، جب ان کا مراسلہ پڑھا گیا تو علی
کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: قیساریہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ فتح ہوجائے گا! عمرؓ نے
صرف تین ہزار فوج کا اضافہ کیا اور اسی سے قیساریہ کو مسلمانوں نے فتح کرلیا......

علی کرم اللہ وجہہ نے خواہ کشف سے معلوم کیا ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کی اطلاع آپؑ کو دی ہو، بہرحال تفکرات کے وقت تسکین دینی کمالِ
محبت کی دلیل ہے، اور عمرؓ نے بھی اسی اطمینان پر صرف تین ہزار فوج کا اضافہ کیا،
ورنہ کہاں لاکھ کا لشکر تازہ دم محفوظ مقامات میں اور کہاں نو ہزار ۹۰۰۰ شکستہ حال
مسلمان!! اور کیونکہ یہ مسلمانوں کا وہی لشکر تھا جو لاکھوں کا مقابلہ کرتا ہوا یہاں
تک پہونچا تھا، معلوم نہیں اس میں زخمی اور تھکے ہوئے کتنے ہوں گے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۳۹۵ میں لکھا ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص
کے ہاتھ پر بہت سا ملک عجم فتح ہوا، تمام عجم پر ان کا رعب چھا گیا تھا، پھر جب کسی
واقعہ میں عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکومت سے معزول کیا اور یہ خبر یزدگردبن
شہریار کو پہونچی تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا اور خیال کیا کہ اب مسلمانوں کا مقابلہ
آسان ہے، اس لئے ملک کے افسروں کو افواج فراہم کرنے کا حکم دیا اور قسم کھالی
کہ جب تک تمام عرب کو تباہ کر کے بادشاہ اسلام کو گرفتار نہ کرلوں جنگ سے باز
نہ آؤں گا! چنانچہ ڈیڑھ لاکھ فوج اور ستر سے زیادہ جنگجو ہاتھی نہاوند میں جمع کئے،
عمار بن یاسر جو اس وقت حاکم کوفہ تھے انہوں نے عمرؓ کو ان واقعات کی خبر دی،
عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا، ہر ایک نے اپنی رائے ظاہر کی، عثمان رضی اللہ عنہ
نے کہا کہ اس وقت آپ مسلمانوں کو لے کر کوفہ میں اقامت فرمائیں تو بہتر ہوگا۔
عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ: "ہمارے
دین کے معاملہ کو فوج کی قلت و کثرت سے کوئی تعلق نہیں، یہ اللہ کا دین ہے جس
کو اس نے فاتح اور غالب کیا، اور یہ خدائے تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اس نے جمع
کرکے اس کی مدد کی، چنانچہ جہاں تک پہونچا ہے ظاہر ہے، ہماری نظر اس کے وعدہ
پر ہے وہ بے شک اپنا وعدہ پورا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائے گا، قیم (یعنے امیر) کی
مثال ایسی ہے جیسے موتیوں کی لڑی کی گرہ کہ اگر وہ کھل جائے تو سب دانے
متفرق ہوجاتے ہیں جن کا پھر جمع ہونا مشکل ہے، اگرچہ عرب آج کے دن گنتی میں
کم ہیں مگر اسلام اور اتفاق کی وجہ سے بہت ہیں، آپ قطب بنے رہئے، جس طرح کہ
چکی کیلی کے اطراف گھومتی ہے اسی طرح اس چکی کو آپ اپنے اطراف گھمائیے، اگر
آپ مدینہ طیبہ سے نکلیں گے تو اعراب ہر طرف سے ٹوٹ پڑیں گے جس کا انتظام

دشوار ہوگا، اور عجم آپ کی تاک میں لگے رہیں گے اور یہ خیال کریں گے کہ آپ اصل عرب ہیں آپ پر غلبہ ہوتے ہی بے فکری ہوجائے گی، اور یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر چڑھائی کرینگے سو یہ نہ ہوگا کیوں کہ جس طرح آپ اس بات کو ناپسند سمجھتے ہیں خدائے تعالیٰ اس سے زیادہ مکروہ سمجھتا ہے، رہا یہ کہ ان کی فوج بہت ہے، سو ہماری لڑائیاں اور فتوحات جتنی بھی ہوئی ہیں ان میں فوج کی کون سی کثرت تھی؟ سوائے اس کے کہ صرف خدائے تعالیٰ کی مدد تھی" ۔ علی کرم اللہ وجہہ نے جو اس موقع پر تقریر کی نہج البلاغہ کے صفحہ ۱۳۶ میں منقول ہے جس کی عبارت یہ ہے: ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذى أظهره وجنده أعده وأمده حتے بلغ ما بلغ وطلع حيثما طلع، ونحن على موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده، ومكان القيّم بالامر مكان النظام من الخرز يجمعه ويضمه فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم يجمع بحذافيره ابداً، والعرب اليوم وان كانوا قليلا فهم كثيرون بالاسلام عزيزون بالاجتماع، فكن قطباً و استدر الرحىٰ بالعرب واصلهم دونك نار الحرب فانك ان شخصت من هذه الارض انتقضت عليك العرب من اطرافها واقطارها حتے يكون ماتدع وراءك من العورات اهم اليك مما بين يديك - دیکھئے کس صفائی اور خلوص سے حضرت علیؓ نے عمرؓ کو "قیم" قرار دیا، جس کے معنی سید اور سیاست کرنے والے اور حاکم اعلیٰ کے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں لکھا ہے ۔ اور حدیث شریف میں ہے ماافلح قوم تيّمتهم امرأة یعنے جس قوم کی سردار

عورت ہو ان کو فلاح نہیں ۔ اور قیم شوہر کو بھی کہتے ہیں اس وجہ سے کہ عورت کا حاکم و فرمانروا ہے ۔ اگر علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں کسی قسم کا غبار اور عمرؓ کی خلافت سے انکار ہوتا تو اس موقعہ پر ان الفاظ کو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، اگر سچی خیر خواہانہ رائے دینے کی ضرورت تھی تو صرف اتنا ہی فرمادینا کافی تھا کہ: ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ مدینہ سے باہر نہ جائیں ۔

اسی مقام پر ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ: علی علیہ السلام بعقیدت شیعی اگرچہ خلافت عمرؓ را از در غصب میدانست لیکن در کارہا و لشکر کشیہا او را رعایت می فرمود و رائے نیکو میزد چہ غلبۂ لشکر اسلام ازیں کم نبود کہ کافراں بوحدانیت خدا و نبوت پیغمبر اقرار میدادند راہ بکوچہ سلامت نزدیک میکردند

مطلب یہ کہ علی کرم اللہ وجہہ شیعہ کے خیال کے مطابق عمرؓ کو غاصب خلافت تو جانتے تھے مگر اس خیال سے کہ غلبۂ اسلام باعثِ اشاعتِ توحید و نبوت ہے عمدہ و مخلصانہ رائیں دیا کرتے تھے، فی الحقیقت اشاعت توحید و اسلام ایک عمدہ چیز ہے اس کے مقابلہ میں خلافت کا جھگڑا کوئی چیز نہیں ۔ مگر جس طرح علیؓ عمرؓ کی حکومت کو تسلیم کر کے مخلصانہ رائیں دیا کرتے تھے معاویہؓ کے وقت ایسا نہیں کیا حالانکہ ان کا بھی مقصود ظاہراً اشاعت اسلام ہی تھا کیونکہ کل کتب تواریخ بلکہ خود ناسخ التواریخ سے ثابت ہے کہ فتوحات شام کے وقت معاویہ لشکر اسلام میں شریک تھے اور ان کے زمانے میں بھی فتوحات ہوئے، اگر علی کرم اللہ وجہہ ان سے فرمادیتے کہ جس طرح میں عمرؓ کو اشاعت اسلام کے باب میں نیک رائیں دیا کرتا تھا تمہیں بھی دوں گا، تو وہ بسر و چشم قبول کرتے اور کبھی جنگ و جدال کی نوبت ہی نہ آتی، مگر یہ ممکن نہ تھا، کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ جہاں اشاعت اسلام کو ضروری

سمجھتے تھے خلیفۂ وقت کی اہلیت کو بھی ضروری سمجھتے جس کے ذریعہ سے اشاعت اسلام ہو، اسی وجہ سے اشاعتِ اسلام کو آپ نے کئی سال موقوف رکھا، اور خلافتِ حقہ کے قائم کرنے میں مصروف رہے۔

علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت اور راست بازی اس درجہ کی تھی کہ دینی کاموں میں کسی خیال کا اثر آپ پر نہیں پڑتا تھا، اور نہ کبھی "پولیٹکل خیالات" آپ کے نزدیک آنے پاتے تھے۔ دیکھئے خلافت کے ساتھ ہی آپ نے عثمانؓ کے قرابتداروں کو جو حکومت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے معزول کرنا شروع کردیا حالانکہ آپ کے خیرخواہوں نے اس باب میں بہت کچھ کلام کیا مگر آپ نے کسی کی نہ مانی، مغیرہ بن شعبہ نے بہت کچھ کہا کہ: حضرت! اس وقت معاویہؓ کو چھیڑنا مناسب نہیں اگر بالفعل ان کو شام پر بحال رکھیں تو پھر تو قرابتداران عثمانؓ سے کچھ خوف نہیں! آپؑ نے فرمایا: خلاف شریعت میں کوئی کام نہ کروں گا اور جب تک وہ بیعت نہ کریں ان کو نہ چھوڑوں گا۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ناسخ التواریخ وغیرہ میں مذکور ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا اس کو علانیہ ظاہر فرمادیا کرتے کسی کے خوف سے چھپاتے نہ تھے۔ غرضکہ آپ نے عمرؓ کو جو "قیم" وغیرہ کہا وہ آپ کی دلی بات تھی تصنع اور تقیہ وغیرہ کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور عمرؓ نے بھی آپ ہی کی رائے پسند کی، اس کے بعد پوچھا کہ جو لشکر روانہ کیا جائے اس کی امارت کس کو دینا چاہیئے؟ فرمایا کہ: نعمان مزنی اس کے لائق ہیں! حضرت عمرؓ نے انہیں کو سپہ سالار مقرر فرمایا۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ ان معاملات سے کس قدر باہمی اخلاص اور ارتباط ثابت ہوتا ہے۔

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۲۲۳ میں لکھا ہے کہ: جب ابو موسیٰ اشعریؓ نے

ملک فارس کو فتح کیا اور غنیمت وغیرہ تقسیم کرکے عمرؓ کو لکھا کہ اب خراسان پر چڑھائی کرنے کی اجازت ہو تو مناسب ہے، عمرؓ نے لکھا کہ جو ملک فتح ہوا ہے اس پر ہم شکر کرتے ہیں اسی کا انتظام اچھی طرح رکھو، خراسان کی طرف بڑھنے کا خیال دل سے نکال دو اور خود بصرے کو چلے آؤ! علی کرم اللہ وجہہ نے کہا: آپ یہ کیا لکھ رہے ہیں؟ کہا خراسان ہم سے بہت دور ہے اور وہاں کے لوگ خونریز اور عہد شکن ہیں اس لئے میں وہاں کا قصد مناسب نہیں سمجھتا! علی کرم اللہ وجہہ نے اس ملک کی تعریف کی اور وہاں جو وقائع پیش آنے والے تھے سب بیان کرکے اس پر چڑھائی کرنے کی رغبت دلائی، چنانچہ اسی بناء پر عمرؓ نے احنف ابن قیس کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر روانہ فرمایا۔ کیا بغیر خلوص کے اس قسم کی رائیں دینا قرین قیاس ہے۔

مقرر کردنِ علی حدِ شراب:

ناسخ التواریخ کی جلد دوم صفحہ ۲۵۲ میں لکھا ہے کہ: سنہ ۱۴ھ میں عمرؓ نے جب بلاد عجم کی جنگ سے ہاتھ روکنے کا حکم دیا تو ابو عبیدہ ابن الجراح نے آپ کو لکھا کہ: اس مدت میں جو جنگ سے مہلت ملی تو سپاہی آسودہ ہوگئے اور شراب نہایت رغبت اور شوق سے پینے لگے اس باب میں کیا حکم ہے؟ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ کیا کہ: مسلمان شراب سے احتراز نہیں کرتے اور جو حد اس کی مقرر ہے اس کی انہیں کچھ پرواہ نہیں اس باب میں آپ کی کیا رائے ہے؟ علیؓ نے فرمایا اِنَ السکران اِذا سکر ھذیٰ، و اِذا ھذیٰ افتریٰ، و اِذا افتریٰ فعلیہ ثمانون یعنے جب نشہ اثر کرتا ہے تو آدمی بیہودہ بکنے لگتا ہے، اور جب بیہودہ بکتا ہے تو اس میں افتراء کی بھی نوبت پہونچ جاتی ہے، اور مفتری کی حد اسی (۸۰) درے

ہیں اس لئے شرب خمر کی بھی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کرنا مناسب ہوگا ۔ چنانچہ عمرؓ نے ابو عبیدہ کے جواب میں لکھ بھیجا کہ : اس مراسلہ کے پہنچنے کے بعد جو شخص شراب پئے گا اس کو اسی (۸۰) درے مارے جائیں اور ایسے لوگوں کو فقر وفاقہ میں مبتلا رکھو ۔ ابو عبیدہ نے جب مسلمانوں کو یہ حکم سنایا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ اب حلب پر چڑھائی ہے اس کے بعد انطاکیہ کا قصد کیا جائے گا جہاں خود ہرقل رہتا ہے ! مسلمانوں نے یہ سب سن کر نہایت خوشی سے کہا کہ : ہم ہر بات میں اطاعت کرنے کو موجود ہیں ۔

یہاں مسلمانوں کی انقیاد اور فرماں برداری پر غور کرنا چاہئے کہ عمرؓ نے حد شراب اسی (۸۰) کوڑے مارنے کو لکھا اور کسی نے یہ نہ کہا کہ آخر ہم بھی قرآن پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں نہ کہیں قرآن میں حد شرب خمر اسی (۸۰) کوڑے ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقرر فرمایا ، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اتفاقی طور پر ایسے واقعات ہوجاتے تھے مگر اسی (۸۰) درے کبھی حضرت نے نہیں مارے !! بات یہ ہے کہ ان حضرات کا ایمان کامل تھا گو بہ مقتضائے بشریت کبھی قوائے طبعی غالب ہوجاتے تھے مگر اس حالت کے بعد جب آیت شریفہ **اَطیعوا اللّٰہ وَاَطیعوا الرسول و اُولی الامر منکم** کا خیال آجاتا تو سوائے اطاعت کے دوسرا خیال نہ آتا ، عمل کو چھوڑ کے چون وچرا کرنا اور باتیں بنانی ضعف ایمان کی دلیل ہے ، اس لئے وہ اطاعت میں سرگرم رہے ۔ پھر عمرؓ کو ان کے ایمان پر کس قدر وثوق تھا کہ بلا تامل علی کرم اللہ وجہہ کی رائے لکھدی اور یہ خیال بھی نہیں کیا کہ ایسی نازک حالت میں کہ کفار کے ملک میں گھرے ہوئے ہیں اور مقابلہ ایسے سلاطین سے ہے جن کی شان ،

شوکت ، قوت اور تمول تمام دنیا میں مشہور ہے ، خصوصاً ملک عرب تو قدیم سے ان کا کلمہ ہی پڑھتا تھا ، ایسے موقعہ پر صرف حد شرب ہی میں زیادتی نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم لکھدیا کہ ان لوگوں کو فقر وفاقہ میں مبتلا رکھو ! جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے پاس مال زیادہ ہوگیا ہے وہ چھین لیا جائے ۔ ان کی جانفشانیوں کے صلہ میں قدر ہوئی تو یہ ہوئی کہ مر مر کے جو مال غنیمت حاصل کیا تھا وہ بھی چھنا جارہا ہے اور استحقاق شرعی بھی بالائے طاق ہے !! اتنا ہونے پر بھی ان حضرات کے لب پر حرف شکایت نہیں بلکہ نہایت خوشی سے جان دینے کو چلے جارہے ہیں ! سبحان اللہ یہ انہیں کے نفوس قدسیہ تھے کہ دینی امور میں کیسی ہی سختی کی جائے ملال تک نہیں آتا تھا ۔

یہاں تھوڑے سے غور و تامل کی ضرورت ہے کہ جس قوم کے شرابیوں کی یہ حالت ہو تو اس قوم کے متقی لوگوں کا کیا حال ہوگا ؟! اب کہئے کہ ہم سے یہ جرأت کیونکر ہوسکے کہ علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ خیال کریں کہ خلفائے ثلاثہ سے ان کو بغض تھا ، اور جس طرح معمولی لوگ برتاؤ کیا کرتے ہیں معاذ اللہ آپ بھی کیا کرتے تھے ! اولیاء اللہ کا مقولہ ہے ؛

کفراست در طریقت ما کینہ داشتن * آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

آپؓ تو "امام الاولیا" ہیں آپ کی نسبت یہ کیوں کر خیال ہوسکتا ہے !! ۔

ضرورتِ شوریٰ :

عمرؓ کی عادت تھی کہ بڑے بڑے معاملات میں مشورہ کرلیا کرتے تھے ، کیونکہ حق تعالیٰ مسلمانوں کی تعریف میں فرماتا ہے **و الذین استجابو الربھم**

و أقاموا الصلاة و أمرهم شوریٰ بینهم یعنے مسلمانوں کے کام باہمی مشورت سے ہوا کرتے ہیں ۔ اور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ وشاورهم فی الامر یعنے صحابہ سے مشورت کیا کیجئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو علوم لدنی حاصل تھے صحابہ کو کہاں نصیب ! باوجود اس کے آپؐ کو انؓ سے شوریٰ کرنے کا حکم تھا ۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس سے رائے لی جاتی ہے اس کو خاص قسم کی موافقت اور انس پیدا ہوتا ہے ۔ حق تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ میں مسلمانوں کی تعریف کی کہ "وہ شوریٰ سے کام کیا کرتے ہیں" اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کو خیر خواہانہ رائے دینے کا حکم ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے الدین النصیحة یعنے کامل دین خیر خواہی ہے ۔ غرضکہ آیت مذکورہ میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور موافقت کو بیان کیا گیا ہے، اس اتحاد اور موافقت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی سے رائے میں غلطی بھی ہو جائے تو دوسرا اس کی اصلاح کر دیتا ہے، چنانچہ عمرؓ نے ایک بار کسی زانیہ کو رجم کرنے کا حکم دیا اتفاقاً وہ حاملہ تھی علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً متنبہ کیا کہ یہ حاملہ ہے اگر اس وقت اس کو رجم کیا جائے تو بچہ بے قصور ضائع ہو جائے گا ! عمرؓ نے قبول کر لیا اور فرمایا لو لا علیٌّ لهلک عمر یہ امرهم شوریٰ بینهم کی برکات تھیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا فرض ادا کیا اور عمرؓ نے اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر ان کا شکریہ ادا کیا ۔ اِس زمانے میں اگر کوئی ایسا واقعہ پیش ہو جائے تو عمر بھر اپنے جلسوں میں بطور افتخار کہا کریں گے کہ ہم نے ایسے بڑے شخص کو زک دی ! مگر ان حضرات کے نفوس قدسیہ اس قسم کی تعلی کو ہرگز گوارا نہیں کرتے تھے، دیکھئے کسی بھی روایت میں یہ بات نہیں ملے گی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے کسی بھی جلسہ میں بطور افتخار فرمایا ہو کہ میں نے عمرؓ کو ایسا ایسا

ذلیل کیا ! آخر ان حضرات ہی کی باتیں حدیث کی شکل میں ہم تک پہونچی ہیں اگر ایک بار بھی آپ یہ فرماتے تو ضرور حدیث و سیرت کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا ۔ اگر اس واقعہ کو نکتہ چینی سمجھا جائے تو پہلے یہ فرض کرنا ہوگا کہ معاذ اللہ ان حضرات کے نفوس بھی ہمارے ہی جیسے رشک، حسد، کینہ اور خود غرضی سے بھرے ہوئے تھے اور حق تعالیٰ نے جو انکی تعریف کی ہے رحماء بینهم اور آیت شریفہ فأصبحتم بنعمته اخوانا نعوذ باللہ خلاف واقعہ ہے !! ۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ عمرؓ خلافت کے اہل نہ تھے کیوں کہ ان کی رائے میں خطا واقع ہوئی ۔ اور ان کی عمر بھر کی جانفشانیاں اور حسن تدابیر جن کو خود نے بھی ذکر کیا ہے سب کو نسیاً منسیا کر دیا ۔

غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ ان کو قتل کیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے ؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا مناسب ہے، عمرؓ نے کہا قتل کرنا مناسب ہے، اور بعضے صحابہ نے ابو بکرؓ کی رائے پر اتفاق کیا اور بعض نے عمرؓ کی رائے پر، چنانچہ رسولؐ نے ابو بکرؓ کی رائے پر عمل کیا، اس کے بعد یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ما کان للنبی ان یکون له أسریٰ حتی یثخن فی الارض ، تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرة و اللہ عزیز حکیم ، لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما أخذتم عذاب عظیم یعنے "نبی کو سزاوار نہ تھا کہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑ دیتے اور قتل نہ کرتے، تم لوگ (اے صحابہ) سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ آخرت، اور اللہ عزت والا غالب اور حکمت والا ہے، اگر کتاب میں پہلے سے اس قصور کی معافی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لیا

اس پر بڑا ہی عذاب نازل ہوتا۔ چونکہ فدیہ کی رائے دینے والوں پر اس آیت شریفہ
سے سخت عتاب الٰہی معلوم ہوا اس وجہ سے حضرتؐ پر اور ابو بکرؓ پر گریہ طاری تھا کہ
اتنے میں عمرؓ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ کی آپ کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا اگر
فدیہ لینے پر عذاب نازل ہوتا تو تمہارے سوائے کوئی نجات نہ پاتا۔ چونکہ عمرؓ ایسے
واقعات دیکھ چکے تھے اس لئے اگر کوئی غلطی ہوتی تو فوراً متنبہ ہوجاتے اور خوف
الٰہی آپ پر طاری ہوجاتا اسی وجہ سے کہا لو لا علیٌّ لهلك عمر جس طرح آیت
شریفہ میں ہے لو لا كتاب من الله سبق لمسكم فيما أخذ تم عذاب
عظیم۔

غرضکہ رائے میں غلطی ہونا کوئی نئی بات نہیں، مقتضائے بشریت ہے،
اس سے کسی کے مرتبہ میں فرق نہیں آتا۔ غرضکہ جتنے مخالفت کے قصے بیان کئے
جاتے ہیں ان تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ بے اصل محض اور سراسر باطل ہیں،
اور ان حضرات میں باہمی کمال درجہ کی محبت تھی۔

تاریخ الاسلام میں مولوی محمدؐ احسان اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ علی کرم
اللہ وجہہ کے تیرہ ۱۳ صاحبزادے تھے جن کے نام: محمدؐ، عباس، جعفر، ابو بکر، عمر
عثمان وغیرہ تھے۔ اب غور کیجئے کہ اولاد کے نام جن بزرگوں کے رکھے جاتے ہیں ان
کی کیسی وقعت اور محبت اس میں ملحوظ ہوا کرتی ہے؟! کبھی سنا نہیں گیا کہ کسی نے
اپنے لڑکے کا نام فرعون یا ابو جہل رکھا ہو۔

تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۸۵ میں متعدد کتب احادیث سے منقول ہے کہ ایک
بار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے اثنائے خطبہ میں نہایت بلند
آواز سے کہا یاسارية الجبل! یاسارية الجبل! یاسارية الجبل! یعنے اے

ساریہ پہاڑ کے متصل ہوجاؤ۔ ساریہ ایک شخص تھے جن کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے لشکر پر امیر بنا کر عجم کی طرف روانہ فرمایا تھا جس کو کئی دن گزرے تھے، لوگوں
نے دیکھا کہ کہاں ساریہ؟ اور جبل کیسا؟ اور خطبہ کو اس سے تعلق ہی کیا؟ اس
حرکت سے عین خطبہ میں لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور چہ میگوئیاں شروع
ہوگئیں، اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ بعضوں نے صاف کہہ دیا کہ عمرؓ کو جنون
ہوگیا ہے! علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں سے فرمایا: تم عمرؓ کے معاملات میں دخل نہ
دو۔ دیکھ لوگے کہ کوئی بات اس میں ضرور نکل آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ
ایک مہینے کے بعد جب اُس لشکر کا ایک شخص فتح کی خوشخبری دینے کو آیا تو اس نے
یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک روز ہم لوگ ملک عجم میں جبل نہاوند کے قریب تھے اور
ایسا وقت آگیا تھا کہ ہم کو شکست ہوجائے، اتنے میں عمرؓ کی آواز آئی کہ "یاساریہ
الجبل" یہ سنتے ہی ہم نے پہاڑ کو اپنی پیٹھ پر کرلیا اور کفار سے مقابلہ کیا چنانچہ
تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری فتح ہوگئی۔

علی کرم اللہ وجہہ چونکہ امام الاولیاء تھے جانتے تھے کہ عمرؓ کی خلافت فقط
ظاہری نہیں بلکہ خليفة الله ہیں، دیکھنے کو تو یہاں ہیں مگر عالم پر حکومت کررہے
ہیں، دور و نزدیک ان کے حق میں یکساں ہے، ان اسرار کو دوسرے کیا جانیں
انہوں نے بے سمجھی سے کہہ دیا کہ عمرؓ مجنون ہوگئے! کیونکہ بے تکی باتیں فتور دماغ
کی علامت ہیں، تعجب نہیں کہ یہ خیال مستقل اور پختہ ہوجاتا اور عمرؓ معزول
کردیئے جاتے مگر علی کرم اللہ وجہہ نے فوراً روک دیا اور اس فتنہ کو جڑ پکڑنے نہ
دیا۔ دیکھئے اگر آپ کو عمرؓ سے مخالفت ہوتی تو یہ عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا کہ لوگوں
کے خیالات کی تائید کرتے اور فرماتے کہ بیشک اس بے تکی بات سے ان کا ہذیان و

جنون ثابت ہوتا ہے اس لئے اب وہ قابل خلافت نہ ہے۔

اس واقعہ کو ناسخ التواریخ کی جلد دوم کے صفحہ ۴۰۱ میں لکھا ہے کہ: مع القصہ ایں وقت تختے غلبہ باعجم افتاد و عرب را پس برد، ساریہ بن عامر انخعی درمیان جنگ ناگاہ آوازے شنید کہ گویندہ گفت "یا ساریہ الجبل الجبل" یعنے از جانب کوہ پر حذر باش! چوں ساریہ بجانب کوہ نگریست جماعتے از عجم را دید کہ کمین نہادہ اند پس با مردم خود بر ایشاں حملہ برد و آں جماعت را بعضے بکشت و برخے را ہزیمت کرد، از پس آں عرب دیگر بارہ قوت کردند و از چپ و راست و قلب و جناح بیکبار جنبش نمودند و حملہ گراں افگندند چنانچہ اعاجم را نیروے درنگ نماند پس پشت با جنگ کردند و عرب از دنبال ایشاں بتاختند و ہمہ مردم را بخاک انداختند، در جنگ نہاوند صد ہزار کس از عجم کشتہ شد۔ مصنف علامہ نے نصف واقعہ کو تحریر فرما دیا کہ "یا ساریہ الجبل الجبل" کی آواز غیب سے آئی، رہا یہ کہ وہ کلام عمرؓ کا تھا سو کسی مذہبی مصلحت سے اس کو حذف کر دیا۔

مشورت بوقتِ جنگ شام:

واقدیؒ نے فتوح الشام کے صفحہ ۲۱۵ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے شام کے بہت سے شہر فتح کر لئے، شاہنشاہ ہرقل گھبرایا اور تمام صوبوں سے فوجیں طلب کر کے دس لاکھ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ میں بھیجدیا، اور ادھر صرف تیس ہزار ۳۰۰۰۰ آدمی تھے، ابو عبیدہ ابن الجراح جو امیر لشکر اسلام تھے انہوں نے امیر المؤمنین عمرؓ کی خدمت میں عرضی لکھی کہ ہرقل کا لشکر اتنا کثیر التعداد ہے کہ صرف جنگجو سپاہی اس میں آٹھ لاکھ ہیں اس لئے کمکی فوج جلد روانہ فرمائی جائے، اور عبداللہ ابن

قرط کو دے کر تاکید کی کہ جس قدر ممکن ہو جلد مراسلہ پہونچائیں، چنانچہ وہ آٹھ دن میں مدینہ منورہ پہونچے، ایسے وقت میں کہ صحابہ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد نبوی میں جمع تھے اور خط عمرؓ کو دیا، آپؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر تمام حضار کو سنایا جس سے تمام صحابہ سخت متفکر ہوئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا میں اس لڑائی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن چکا ہوں فرماتے تھے کہ یہ لڑائی ایسی سخت ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گی اور صلیب کی پرستش کرنے والے اس میں ہلاک ہوں گے، اے امیر المؤمنین آپ ابو عبیدہؓ کے نام تسکین کا خط لکھدیجئے! چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسبِ خبر و مشورۂ علی کرم اللہ وجہہ ابو عبیدہؓ کے نام مراسلہ لکھا جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ: "فتح لشکر کی کثرت سے متعلق نہیں ہے بلکہ خدا کی مدد پر موقوف ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تھوڑے لوگ لشکر کثیر پر غالب آجاتے ہیں، اب تم خدا پر توکل کرو اور صبر سے کام لو"! اور خط لپیٹ کر عبداللہ بن قرط کے حوالہ کیا، انہوں نے دعائے خیر کی درخواست کی اور آپؓ نے دعائیں دیں، پھر وہ عرض سلام کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کی قبر شریف پر حاضر ہوئے اس وقت وہاں علی کرم اللہ وجہہ مع ہر دو صاحبزادوںؓ اور حضرت عباسؓ اور ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہم حاضر تھے، وہ کہتے ہیں کہ بعد عرض سلام جب میں رخصت ہونے لگا تو علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: اے ابن قرط کیا ابھی جاتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں کیونکہ مجھے فکر ہے کہ اگر میں عین معرکہ کے وقت وہاں پہونچوں اور وہ لوگ میرے ساتھ کمکی فوج نہ دیکھیں گے تو بے صبری کا اندیشہ ہے اس لئے میری آرزو ہے کہ لڑائی سے پیشتر میں وہاں پہونچ جاؤں اور امیر المؤمنین نے جو نصیحتیں زبانی فرمائی ہیں ان کو

سنادوں ۔ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے عمرؓ سے دعا نہیں کرائی ؟ کیا تم نہیں جانتے کہ ان کی دعا خالی لوٹائی نہیں جاتی ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ " میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے " ان کا حکم موافق قرآن کے حکم کے ہوتا ہے ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ " اگر دنیا پر عذاب اترتا تو عمرؓ کے سوائے کوئی اس سے نجات نہ پاتا " کئی آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئیں وہ زاہد اور پرہیزگار اور نوح علیہ السلام کے مشابہ ہیں ۔ اور اس قسم کی بہت سی فضیلتیں بیان کیں ...... مقصود یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جب دعا تم نے لی ہے تو اب کسی قسم کی فکر و تردد نہ کرو کیونکہ جن کے یہ فضائل ہوں ان کی دعا کبھی رد نہیں ہو سکتی ۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی کس قدر وقعت علی کرم اللہ وجہہ کے دل میں تھی اور کیسا خلوص تھا ۔

اور واقدی میں یہ روایت بھی ہے کہ : جب سعید ابن عامر مکہ معظمہ اور طائف سے ایک ہزار کا لشکر جمع کر کے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تائید کو نکلے اور امیر المؤمنین عمرؓ سے اجازت لینے کو مدینہ منورہ آئے اس وقت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں وصیتیں کیں ، علی کرم اللہ وجہہ بھی وہاں تشریف رکھتے تھے ، مجلس کے اختتام پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ : اے سعید اپنے امام امیر المؤمنین کی وصیتوں کو یاد رکھو یہ وہ شخص ہیں کہ ان سے مسلمانوں کے چالیس ۴۰ عدد کی تکمیل ہوئی ۔ ان کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے " ۔ اور یہ بھی علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ : جب عبیدہ ابن الجراح سے ملاقات ہو تو ان سے یہ کہو کہ اگر کوئی دشواری پیش آجائے تو امیر المؤمنین کو لکھ کر مجھے بلوالو تو ان شاء اللہ تعالیٰ شام کی زمین کو میں الٹ دوں گا ...... ۔

سبحان اللہ اطاعت اسے کہتے ہیں ! متواتر خبریں آرہی ہیں کہ آج فلاں شہر فتح ہوا اور آج فلاں خطہ اہل اسلام کے قبضہ میں آیا جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھے جا رہے ہیں ، خالد ابن الولید وغیرہ شجاعان اسلام اپنی شجاعتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں کہ ایک ایک شخص ایک ایک ہزار جنگجو سپاہیوں کا مقابلہ کر کے ان کو ہزیمت دے کر شہرۂ آفاق ہو رہا ہے ، اور علی کرم اللہ وجہہ ہیں کہ ہمت اور شجاعت کا دریا آپ میں جوش زن ہے اور یہ وثوق ہے کہ بہ نفس نفیس سلطنت شام کو الٹ دیں ، باوجود اس کے یہ نہ ہو سکا کہ بغیر اجازت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے اس جنگ میں شریک ہوں ! آخر ابو عبیدہ کو کہلوا بھیجا کہ : " جب سخت ضرورت ہو تو امیر المؤمنین کو لکھ کر مجھے بلوالو " ۔ اگرچہ اس قسم کی روایتوں میں کلام کرنا آسان ہے ، مگر عقل حقیقت شناس سے اگر کام لیا جائے تو یہی روایتیں صحیح معلوم ہوں گی ، اس لئے کہ اگر صحابہؓ میں ایسی موافقت اور خلیفہ وقت کی اطاعت نہ ہوتی تو ایسی بڑی بڑی قدیم و عظیم و طاقتور اور آباد سلطنتیں جن کی مالی و فوجی اور قومی طاقت کے مقابلہ میں لشکر اسلام کی قوت دیکھی جائے تو فیصدی صفر کے سوائے اور کچھ جواب نہیں ہو سکتا ، ممکن نہیں کہ ان کو فتح کر سکتے ۔ کیونکہ مخالفت باہمی کا یہ انجام ہوتا ہے کہ ہوا اکھڑ جاتی ہے ، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم یعنے " اے مسلمانو آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ اس سے بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی " ۔

دیکھئے کہ مخالفت باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہی علی کرم اللہ وجہہ ہیں جنہوں نے فوج کفار کی تعداد لاکھوں کی سن کر فرمایا تھا کہ : " میں ملک شام کو الٹ دوں گا " ، اور خود بہ نفس نفیس ایک لاکھ فوج کو ہمراہ لے کر چودہ مہینے معاویہؓ کا مقابلہ

کرتے رہے اور دونوں طرف برابر کی فوجیں تھیں بلکہ آپ کی طرف کثیر التعداد صحابہؓ موجود تھے جنہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں بہادران عرب کے دلوں پر اپنی جوانمردی کا سکہ جمادیا تھا باوجود اس کے معاویہؓ کا ملک شام بھی فتح نہ ہوسکا! جب کہ عمرؓ کے وقت میں شام و عراق اور عجم فتح ہوئے اور یورپ و افریقہ میں جہاں تک گئے فتح کرتے چلے گئے! کبھی ایسا نہ ہوا کہ بغیر فتح کے واپس آگئے ہوں، حالانکہ اسلامی فوج کی تعداد کبھی ایک لاکھ تک نہیں پہونچی تھی درانحالیکہ کفار کی فوجیں لاکھوں کے شمار میں تھیں، اور صرف فوج ہی نہیں ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مقابلے رہتے تھے ۔ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو اگر "سیف اللہ" کا خطاب عطاء ہوا تھا تو علیؓ "اسد اللہ الغالب" تھے اور ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خالدؓ کو آپ کی شجاعت اور قوت کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی، مگر بات یہ تھی کہ خالدؓ کو جوانمردی دکھانے کا موقعہ اس زمانے میں ملا تھا جبکہ تمام صحابہؓ ایک دل تھے اور اس اتفاق کی وجہ سے مسلمانوں کی ہوا بندھی ہوئی تھی، اور علی کرم اللہ وجہہ کو وہ زمانہ ملا جس میں بحسب روایات صحیحہ فتنہ کا دروازہ کھل گیا تھا، اور بحسب آیت مذکورہ منازعت باہی کی وجہ سے جبن اور بزدلی مسلمانوں کے دلوں پر چھا گئی تھی (۱) ۔

---

(۱) : جب جب بھی اس کرہ ارضی کی عظیم سلطنتوں (سوپر پاورس) اور ایمانی قوت کے حامل لشکر اسلام میں معرکہ آرائیاں ہوئیں باوجود قلت اسباب ظاہری، ہمیشہ فتح مومنین ہی کی ہوئی اور سوپر پاورس پاش پاش ہوگئے **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** - لیکن اہل ایمان کے آپسی تنازعوں کے باعث ان کی ہوا بگڑی، چنانچہ پندرھویں صدی ہجری کے اوائل میں افغانستان میں بھی یہی سب کچھ ہوا۔

الحاصل آیات اور احادیث اور قرائن قویہ دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج مسلمان کا وجدان گواہی دے گا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہم میں کمال درجہ کا اتحاد اور اتفاق تھا، اور مخالفت کی روایتیں بے اصل محض ہیں، علیؓ کو ان حضرات سے اس درجہ خلوص تھا کہ اگر غائبانہ بھی کوئی ان کا ذکر بے طریقہ کرتا تو آپ منع فرمادیتے۔ چنانچہ ناسخ التواریخ کے صفحہ ۲۵۹ میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں عبداللہ بن عمرؓ اور علیؓ کے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ کا جب مقابلہ ہوا تو علیؓ نے اپنے صاحبزادے کو پکار کر بلالیا۔ انہوں نے وجہ دریافت کی؟ تو فرمایا کہ : مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ تم پر غالب نہ آجائیں!! انہوں نے جواب دیا کہ : خدا کی قسم یہ فاسق تو کیا اگر اس کا باپ عمر بن خطاب بھی ہوتا تو آپ کی شان نہ تھی کہ آپ اس کے مقابلہ میں جاتے ! امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا : یا بُنَیَّ لا تقل لأبیه اِلا خیراً یعنے بیٹے ! ان کے والد کی شان میں سوائے خیر کے کوئی توہین کا لفظ نہ کہو۔

کنز العمال میں متعدد کتبِ حدیث سے روایت ہے کہ عمرؓ نے علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی صاحبزادی ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہم کا رشتہ اپنے لئے مانگا، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہایت کم سن ہیں! کہا کہ : مجھے اس کے سوائے اور کچھ مقصود نہیں کہ میرا سببی تعلق بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے باقی رہے، میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ "کل سبب اور نسب قیامت کے روز منقطع ہوجائیں گے مگر میرا سبب و نسب باقی رہے گا" اگرچہ میں حضرتؐ کی مصاحبت میں مدتوں رہا مگر چاہتا ہوں کہ یہ تعلق بھی قائم رہے، اے علی! روئے زمین پر ایسا کوئی شخص نہیں جو انؐ کی مصاحبت کی اس قدر توقع رکھتا ہو جس قدر مجھے ہے۔ یہ

سن کر علی کرم اللہ وجہہ راضی ہوئے اور فرمایا : میں نے آپ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا ! عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے صحابہ کی مجلس میں آکر کہا کہ مجھے نکاح کی مبارک باد دو ! سب نے مبارک باد دیکر دریافت کیا کہ : اے امیرالمؤمنین ! کن کے ساتھ آپ نے نکاح فرمایا ہے ؟ انہوں فرمایا : علی ابن ابی طالبؓ کی صاحبزادی کے ساتھ ۔ اور اس کی وجہ بھی بیان کی ، اور چالیس ہزار درہم ان کا مہر مقرر فرمایا۔

اگرچہ حضرات شیعہ کو بھی اس واقعہ کا اقرار ہے مگر کچھ ایسی بدعنوانی سے اس کو بیان کرتے ہیں کہ غیرت دار آدمی کو اس کا سننا بھی سخت ناگوار ہے ۔

ناسخ التواریخ کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۲۸ میں یہ روایت منقول ہے کہ : جب حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام بیمار ہوئیں تو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما عیادت کے لئے آپ کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے مگر سیدہؓ نے اندر آنے کی اجازت نہیں دی اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ جبتک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی نہ کرلوں گا کسی چھت کے سایہ میں نہ جاؤنگا ! چنانچہ رات بھر زیر سماء رہے ، عمر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر علی کرم اللہ وجہہ کے پاس گئے اور کہا کہ ابوبکر ایک ضعیف و رقیق القلب شخص ہیں اور ان کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقِ صحبت اور مصاحبتِ غار حاصل ہے کئی بار وہ اور میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کو گئے مگر انہوں نے آنے کی اجازت نہیں دی ، اگر آپ اس باب میں سفارش کریں تو ہم حاضر ہوکر ان کو راضی کرلیں گے ۔ علی کرم اللہ وجہہ نے قبول فرمایا ، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اجازت دینے کو کہا ، انہوں نے جواب دیا کہ : خدا کی قسم نہ میں ان کو آنے کی اجازت دوں گی نہ ان سے بات کروں گی ! علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : میں اس کام کا ضامن ہوگیا ہوں ! فرمایا جب آپ ضامن ہوگئے تو خیر اجازت دیجئے ! چنانچہ بعد اجازت ابوبکرؓ گئے اور معذرتیں کیں سیدہؓ نے قبول نہیں فرمایا ، اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یاویل ! یا ثبور ! لیت امی لم تلدنی یعنے : یہ بڑی تباہی کی بات ہے کاش مجھے میری ماں نہ جنی ہوتی ۔ اگرچیکہ یہ روایت سنیوں کی کتابوں میں دیکھی نہیں گئی مگر تسلیم بھی کرلی جائے تو اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو شیخینؓ کے ساتھ محبت تھی اور خلافت کا کوئی جھگڑا نہ تھا ، اس لئے کہ کس قدر آپ کو ان حضرات کی پاس خاطر تھی کہ باوجودیکہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بڑی قسم کھالی تھی مگر علیؓ نے اس کا بھی خیال نہ کیا اور سیدہؓ پر اتنا زور دیا کہ انہیں اپنی قسم توڑنے پر آمادہ کرلیا ۔ علیؓ کو ان حضراتؓ سے ذرا بھی ملال ہوتا تو صاف فرمادیتے کہ : تم جانو اور وہ ، مجھے ان جھگڑوں سے کیا کام ! پھر قسم کا بھی قوی حیلہ موجود تھا۔

اس روایت سے اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خاندان نبوت سے کس قدر خلوص تھا اور کتنی محبت دل میں تھی ! فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج و ملال کس درجہ ان پر شاق ہوا ہوگا کہ قسم کھالی کہ جب تک ان کو راضی نہ کرلوں گا کسی چھت کے سایہ میں نہ بیٹھوں گا ۔ پھر جب بتولؓ نے معذرت قبول نہیں کی تو خلافت بلکہ زندگی بھی آپ کی نظروں میں ہیچ ہوگئی جو لیت امی لم تلدنی کے جملے سے ظاہر ہے۔

اگر یہاں یہ خیال کیا جائے کہ یہ سب تقیہ کی راہ سے تھا ، تو اس کو عقل قبول نہیں کرتی ، اس لئے کہ اراضی " فدک " جس کے نہ دینے کا رنج فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھا اس سے ان کو کوئی ذاتی نفع نہ تھا ، اس کے مصارف انہوں نے وہی رکھے

تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ۔اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ایسے احکام ضرور پہونچے تھے جن پر عمل کرنے پر وہ مجبور تھے ، کیونکہ خدا و رسول کے احکام جاری کرنے کے بارے میں حاکم وقت مجاز نہیں کہ کسی کی رو رعایت کرے ، جیسا کہ علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے جو نہج البلاغہ کے صفحہ ۱۰۰ میں ہے **لا یقیم امر اللّٰہ سبحانہ الا من لا یصانع و لا یضارع و لا یتبع المطامع** یعنے : خدائے تعالیٰ کے حکم کو وہی جاری کرے گا جو نہ کسی کے ساتھ سازش کرے اور نہ ایسے کام کرے جو اہل باطل کے مشابہ ہوں اور نہ لوگوں کی خواہشیں پوری کرنا اس کے مدنظر ہو ۔ غرضکہ ابو بکرؓ معذور تھے اور فاطمہؓ سے انہیں کوئی خصومت نہ تھی ، اگر معاذ اللہ کوئی ذاتی خصومت ہوتی تو بار بار رضاجوئی کے واسطے سیدۃ کے گھر نہ جاتے ۔ اور معذرتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی ؟ کیونکہ خلافت کے مسئلہ میں تو کوئی رکاوٹ ہی باقی رہی نہ تھی جس سے یہ خیال ہو کہ خلافت حاصل کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی ۔ اگر سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بمقتضائے بشریت اس مقدمہ میں کسی قسم کا رنج بھی تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلوص کے اثر سے وہ دفع ہو گیا تھا ، جیسا کہ تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ : قطع نظر بیہقی وغیرہ کتب اہل سنت کے کتب شیعہ مثل " محاج السالکین " وغیرہ سے ثابت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رنج اور خفگی معلوم ہوئی تو آپؓ سیدۃ کے پاس چلے گئے اور کہا کہ : اے صاحبزادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ " فدک " کے باب میں جو کہتی ہیں سچ ہے ، مگر میں نے آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صاحبوں کے قوت اور عملہ کی تنخواہ کے بعد فقراء و مساکین میں فدک کے محاصل کو تقسیم فرمایا

کرتے تھے ۔ ! سیدۃ نے فرمایا : آپ بھی اسی طرح تقسیم کیا کرو ! انہوں نے کہا : خدا کی قسم یہ میرے ذمہ ہے میں ایسے ہی کروں گا ! فرمایا : خدا کی قسم ایسا ہی کرو گے ؟ عرض کیا : خدا کی قسم ایسا ہی کروں گا ! اس پر فاطمہ رضی اللہ عنہ نے کہا : یا اللہ تو گواہ رہ ! اور یہ اقرار لے کر ان سے راضی ہو گئیں ، چنانچہ ابو بکر رضی عنہ نے وہ عہد پورا کیا ۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو حدیث شریف **نحن معاشر الانبیاء لا نورث** پیش کی اس کی تصدیق ائمہ اہل بیت بھی کرتے ہیں ، چنانچہ کلینی کے صفحہ ۱۷ میں ہے **عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال : ان العلماء ورثۃ الانبیاء و ذٰلک ان الانبیاء لم یورثوا درھماً و لا دیناراً و انما اورثوا الاحادیث من احادیثھم** - اس کا مطلب صاف ہے کہ انبیاء دنیوی کوئی چیز میراث میں نہیں چھوڑتے ان کی میراث صرف احادیث ہیں جن کے وارث علماء ہوتے ہیں ؛

دیکھئے لفظ " انما " حصر کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ انبیاء کی میراث صرف اور صرف علم ہی ہے اس کے سوا کوئی چیز ترکہ میں نہیں چھوڑتے ۔

کلینی کے صفحہ ۱۴۳ میں ہے **عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال : ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من المتاع سیفاً و درعاً و عنزۃ و رحلاً و بغلتہ الشھباء نورث ذلک کلہ علی بن ابی طالب** یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ متاع دنیوی سے صرف تلوار اور زرہ اور چھوٹا نیزہ اور کجاوا اور مادہ خچر تھا ، اور ان سب چیزوں کے وارث علی بن ابی طالب ہوئے ۔ اس روایت سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

جس قدر ترکہ تھا اس کے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوئے !! یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے چچا عباسؓ بھی موجود تھے پھر علی کرم اللہ وجہہ کو یہ ترکہ کیونکر پہونچا؟ اس کا جواب اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو کلینی کے صفحہ ۱۴۴ میں ہے کہ ابو عبداللہ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب پہونچا تو آپؐ نے عباسؓ سے فرمایا: یا عم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میراث محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس شرط پر لیتے ہو کہ اس کا قرض ادا کریں اور وعدے پورا کریں؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! میں بوڑھا شخص کثیر العیال اور غریب ہوں، آپ کے قرضوں اور وعدوں کا ادا کرنا کس سے ہوسکے، آپ سخاوت میں ہوائے تند کا مقابلہ کرتے تھے!! پھر مکرر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی فرمایا اور عباسؓ نے وہی جواب دیا، اس کے بعد علی علیہ السلام سے وہی فرمایا جو عباسؓ سے فرمایا تھا انہوںؓ نے قبول کیا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنی خاتم، خود، درع، نشان، قمیص، ٹوپی، شمشیر ذوالفقار، دلدل خچر، دو اونٹنیاں، دو گھوڑے، دو مادہ خچر وغیرہ اشیا. آپ کو عطا. فرمائیں

اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یہی تھی جو مذکور ہوئی، اور کل میراث کے وارث علی کرم اللہ وجہہ ہوئے جس کی تصریح حضرت امام جعفر صادقؓ فرماتے ہیں، اور آپ نے دیکھ لیا کہ اس میں فدک کا نام بھی نہیں! اگر زمین فدک ترکہ میں ہوتی تو اس موقعہ پر آنحضرتؐ اس کا ضرور ذکر فرماتے کہ اس کو بیچ کر قرض کی ادائی کی جائے! اور تعجب نہیں کہ عباسؓ بھی اس جائداد کی وجہ سے اس خدمت کو قبول کرلیتے۔ بہر حال یہ وقت ذاتی جائداد بتلانے اور ادائی

دیون وغیرہ کی وصیت کرنے کا تھا، جب چھوٹی چھوٹی اشیائے مملوکہ پر آپ نے علی کرم اللہ وجہہ کا قبضہ کروادیا تو ایک بڑی آمدنی کی زمین جس پر مدتوں جھگڑے رہے اس کا ذکر آنحضرت ضرور فرمادیتے، اور اگر کسی مصلحت سے ذکر نہیں فرمایا تو علی کرم اللہ وجہہ ضرور پوچھ لیتے کہ ادائی قرضہ جات میں فدک کی زمینات کی آمدنی سے بھی مدد لے سکتا ہوں یا نہیں؟ مگر آپؓ نے بھی نہیں پوچھا، اس سے ظاہر ہے کہ فدک کو ترکہ سے کوئی تعلق نہ تھا، اس کے مصارف جداگانہ مقرر تھے۔

غرضکہ فدک کے معاملہ میں جو ابوبکرؓ پر الزام لگادیا جاتا ہے خود علی کرم اللہ وجہہ اور ائمہ کرام نے اس کا جواب دے دیا۔ فاطمۃ الزہرا. علیہا السلام کو وہ حدیث پہونچی نہ تھی، اس لئے انہوں نے اس کا تذکرہ کیا، پھر جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس کے اصلی واقعات سن لئے تو تسلیم کیا او جھگڑا طے ہوگیا، مگر بعد والے لوگوں نے اپنی اغراض پوری کرنے کی غرض سے روایتیں بنالیں جن سے اب تک ان کا جھگڑا پڑا ہوا ہے، اگر وجدان سے کام لیا جائے تو وہ بھی یہی گواہی دے گا کہ ان نفوس قدسیہ کی یہ شان نہیں کہ دنیاداروں کی طرح تھوڑی سی زمین کے لئے عمر بھر خصومت میں لگے رہیں:

نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد منقول ہے من بالغ فی الخصومة أثم، و من قصر فیها ظلم، و لا یستطیع ان یتقی اللہ من خاصم یعنے: "جو شخص خصومت میں مبالغہ کرے وہ گناہگار ہے، اور جو تھوڑی خصومت کرے وہ ظالم ہے، اور اس سے خدائے تعالیٰ کا تقوی نہیں ہوسکتا جس نے بھی خصومت اختیار کی"۔ اب کہئے کہ کیونکر خیال کیا جائے کہ فاطمۃ زہرا. علیہا السلام نے مقدمہ فدک میں خصومت کی جس کی وجہ سے ظالم یا گنہگار قرار دی

جائیں !یا کہا جائے (معاذ اللہ) وہ متقی نہ تھیں !۔اور علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ کیونکر خیال ہو سکے کہ آپ نے لوگوں کو تو یہ ارشاد فرمایا تھا مگر آپ کے گھر میں اس پر عمل نہ تھا۔

اور یہ بھی روایتیں نقل کی جاتی ہیں کہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام نے انتقال کے وقت تک ابو بکرؓ سے ترک کلام کر دیا تھا! حالانکہ کلینی صفحہ ۵۴۱ میں ہے عن ابی عبداللّٰہ علیہ السلام یقول قال ابی قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أیما مسلمَین تھاجرا فمکثا ثلاثاً لا یصطلحان الا کانا خارجَین من الاسلام ولم یکن بینھما ولایۃ ، فأیھما سبق الیٰ کلام أخیہ کان السابق الی الجنۃ یوم الحساب یعنے ابو عبداللہ علیہ السلام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ : رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جو دو مسلمان باہمی رنجش کی وجہ سے تین روز تک ایک دوسرے سے بات نہ کریں اور اس عرصہ میں صلح نہ کرلیں تو وہ دونوں اسلام سے خارج ہوں گے اور ان میں ولایت باقی نہیں رہے گی، پھر جو شخص پہلے بات کرلے وہ قیامت کے روز جنت میں پہلے جائے گا" ۔اب غور کیجئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) آپ ایسے گناہ کی مرتکب ہوئیں جس سے آدمی اسلام سے خارج ہو جائے !؟ اس قسم کی کل روایتیں یقیناً گھڑی ہوئی اور موضوع ہیں ، اور ان کی تصدیق کرنے والے اپنے آپ پر قیاس کر کے تصدیق کر لیتے ہیں ، جو ہرگز نہیں چاہئے کیونکہ اگر ان حضرات کی وہی حالتیں ہوں جو ہماری ہیں تو ان نفوس قدسیہ میں اور ہمارے نفوس میں فرق ہی کیا ہوا !؟ اب اگر ان روایتوں کو صحیح کرنے کی غرض سے نفس امارہ اور نفس قدسیہ و مطمئنہ کو ایک کر دیں تو

اس کا کچھ علاج نہیں۔

تعلقاتِ علیؓ با عثمانؓ :

جس طرح ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے علیؓ کی صفائی تھی ، اسی طرح عثمانؓ سے بھی تھی۔ چنانچہ ناسخ التواریخ کی جلد دوم کے صفحہ ۵۲۶ میں لکھا ہے کہ: عثمانؓ نیم شبے بہ خانہ علی علیہ السلام آمد و گفت یا ابا الحسن حق خویشاوندی و قرابت را فرومگذار و شفقت خویش را از من دریغ مدار و نزدیک ایں قوم شو ایشاں را بکتابِ خدا و سنتِ رسول دعوت کن وآنچہ خواستار شوند پذیرفتار باش؛

دیکھئے عثمانؓ کو علی کرم اللہ وجہہ پر کس قدر اعتماد و وثوق تھا کہ ایسی نازک حالت میں کل صحابہ میں سے بلوائیوں کی تفہیم کے لئے آپؓ کا انتخاب کیا اور آپؓ نے بھی اس کو قبول کر کے یہاں تک سعی کی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ضامن ہو گئے، جیسا کہ ناسخ التواریخ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اگر دشمنی ہوتی تو علی کرم اللہ وجہہ صاف کہہ دیتے کہ مجھے ان جھگڑوں سے کیا غرض ؟! بلکہ بلوائیوں کو اور تائید و اشتعالک دیتے۔

اور یہ بھی ناسخ التواریخ کے صفحہ ۵۲۹ میں ہے : واز ہر جانب سنگ پارہ ہائے مسجد را بر گرفتند بسوئے عثمان رواں کردند پس عثمان را از منبر فرود آوردند واو بیہوش بود بجانش بہ خانہ بردند، حسن بن علی علیہ السلام و سعد ابن ابی وقاص وغیرہ تا در سرائے رفتند عثمان از ایشاں عذر خواست تا باز شدند آنگہ علی علیہ السلام بعیادت عثمان رواں شد واو را دیدار کرد۔ دیکھئے اس سے کس قدر باہمی محبت اور خصوصیت معلوم ہوتی ہے کہ باوجود اس خطرناک صورت حال کے امام حسنؓ

نے عثمانؓ کو گھر تک پہونچایا اور علی کرم اللہ وجہہ سنتے ہی ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے ، اگر مخالفت ہوتی تو خوش ہونے کا موقعہ تھا بلکہ مارپیٹ میں خود بھی شریک ہوتے ۔ پھر عیادت کے وقت جب بنی امیہ نے تہمت لگائی کہ آپ ہی نے یہ فتنہ برپا کرایا ہے ، تو جواب میں فرمایا جیسا کہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے : علی بانگ برایشاں زد و گفت دور شوید اے مردم احمق اے آزاد کردگاں پسر آزاد کردگاں شما لائق پاسخ نیستید چنداں کہ کار شما را باصلاح آوردم ہم خود تباہ کردید ۔ اس سے ظاہر ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو منظور تھا کہ عثمانؓ کی خلافت باقی رہے اور فتنہ فرو ہو جیسا کہ " باصلاح آوردم " سے ظاہر ہے مگر بنی امیہ نے حضرتؑ کی بات چلنے نہ دی اور بنی بنائی بات کو بگاڑ دیا ۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ جو کچھ آپ نے کیا خلوص و صداقت سے کیا ، اگر تقیہ کی راہ سے کیا ہوتا تو بنی امیہ کی چاپلوسی کرتے ، حالانکہ ان کو آپ نے ایسی گھڑکی دی اور کھری کھری سنائی کہ وہ دم نہ مار سکے ...... ۔

اس کے بعد جب بلوائیوں نے عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا اور کھانا پانی بند کر دیا اس وقت عثمانؓ نے کوٹھے پر چڑھ کر علی کرم اللہ وجہہ کو پکارا جیسا کہ ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ : عثمانؓ بر بام سرائے آمد و ندا در داد کہ آیا علی ابو طالب درمیان شما جائے دارد ؟ گفتند نیست ، و خاموش شد و از بام فرود آمد ، و این خبر بہ علی علیہ السلام بردند علیؑ غلام خویش قنبر را بدو فرستاد و پیام داد کہ شنیدم مرا ندا کردی بگوی حاجت چیست ؟ گفت این قوم آب از من باز گرفتہ اند و گروہے از فرزندان و عزیزان من تشنہ اند اگر توانی مرا آب فرست ! علی علیہ السلام آن جماعت را خطاب کرد کہ اے مردم کردار شما نہ با مسلماناں مانند است و نہ با

کافراں ، ہمانا کافران فارس و روم اسیری می کنند لیکن آب و نان می دہند ، آب را ازیں مرد باز مگیرید ! قوم ابا داشتند لاجرم علی علیہ السلام سہ مشک آب بدست چندین از بنی ہاشم بدو فرستاد تا ہمگنان بخوردند و سیراب شدند ۔ دیکھئے مجرد اس کے کہ آپ کو عثمانؓ کے پکارنے کی خبر پہونچی فوراً چلے آئے اور بلوائیوں کو زجر و توبیخ کی اور اس خطرناک حالت میں بھی پانی پہونچایا ۔ عثمانؓ کا علی کرم اللہ وجہہ کو تخصیص کے ساتھ پکارنا اور خبر پہونچتے ہی آپؑ کا وہاں تشریف لے جانا وغیرہ امور کس توضیح سے محبت و خصوصیت باہمی کو بتلا رہے ہیں !! اگر ایسے کھلے قرائن بھی نظر انداز کر دیے جائیں تو کہنا پڑے گا کہ درایت کوئی چیز نہیں ، صرف اسم بے مسمیٰ ہے ...... ۔

جب علی کرم اللہ وجہہ کو یقین ہوا کہ بلوائی عثمانؓ کو ضرور شہید کر دیں گے تو امام حسن علیہ السلام کو حفاظت کے لئے روانہ فرمایا ، چنانچہ تاریخ الخلفاء کے صفحہ ۱۰۹ میں ہے فبلغ علیاً ان عثمان یراد قتلہ فقال انما اردنا مروان فاما قتل عثمان فلا ، فقال للحسن و الحسین اذھبا بسیفکما حتے تقوما علی باب عثمان فلا تدعا احداً یصل الیہ یعنے جب علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ بلوائیوں نے عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو فرمایا کہ : ہم صرف اس قدر چاہتے تھے کہ مروان کو دیدیں ، رہا عثمانؓ کا قتل سو اس کا خیال بھی نہ تھا ! پھر امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں مسلح ہو کر عثمان کے دروازے پر جاؤ اور کسی کو ان تک پہونچنے نہ دو ۔ چنانچہ دونوں صاحبزادے مسلح ہو کر تشریف لے گئے اور بلوائیوں نے تیر اندازی شروع کی ۔ اسی میں لکھا ہے کہ : امام حسنؓ زخمی ہوئے اور آپ کا جسم مبارک خون آلود ہو گیا ، اور قنبر کا سر پھوٹا ، محمد بن ابی بکرؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو بلوائیوں سے کہا اگر بنی ہاشم حسنینؓ

کا یہ حال دیکھیں گے تو ضرور کمک کے لئے آئیں گے اور ہمارا مقصود فوت ہو جائے گا، اس وقت مناسب یہی ہے کہ پچھلی طرف سے دیوار کود کر گھر میں پہونچ جائیں اور عثمانؓ کو قتل کر ڈالیں ۔ جب علی کرم اللہ وجہہ کو عثمانؓ کی شہادت کی خبر پہونچی تو بد حواس دوڑے اور دونوں صاحبزادوںؓ سے فرمایا کہ تمہاری موجودگی میں امیر المؤمنین کس طرح قتل کئے گئے؟ اور کمالِ غصہ سے امام حسن علیہ السلام کو طمانچہ اور امام حسین علیہ السلام کے سینہ پر گھونسہ رسید کیا اور بہت سخت و سست سنائی ۔ اگرچہ اس واقعہ کو ناسخ التواریخ کے صفحہ ۵۳۶ میں دوسرے طور پر لکھا ہے مگر شہادت کے وقت امام حسن علیہ السلام کا وہاں موجود رہنا اس سے بھی ثابت ہے، چنانچہ لکھا ہے : آتش فتنہ بالا گرفت، عثمان را از پس یکدیگر چند در بود پس قوم آتش بیاوردند و بر در نخستیں زدند و بہ دروں آمدند در دیگر را آتش زدند حسن بن علی علیہما السلام وغیرہ نزد عثمان بودند عثمان با حسن گفت این وقت در ہائے سرائے را قوم برائے کار بزرگ می سوزند و پدر تو علی بن ابی طالب ایں ہنگام در حق تو اندیشناک است ترا سوگند میدہم کہ نزد او شوی، پس حسن علیہ السلام از نزد او بیروں شد و ایں وقت بہ سرائے عثمان در آوردند

بہر حال علی کرم اللہ وجہہ کی ہمدردی ہر طرح سے ثابت ہے، اور اس روایت سے عثمانؓ کا غایت درجہ خلوص ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام ہر چند واپس جانا نہیں چاہتے تھے مگر عثمانؓ نے ان کو مجبور کیا اور منت کر کے قسمیں دے کر واپس روانہ فرمایا صرف اس خیال سے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو تشویش ہوگی ۔ سبحان اللہ وفاداری اور غمخواری اسے کہتے ہیں ! علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جگر گوشوں کو شریک حال کیا، عثمانؓ نے اس کا جواب دیا کہ سرجائے تو قبول مگر علی

کے دل میں صاحبزادوںؓ کے تعلق سے تشویش تک نہ آنے پائے !! ۔

روایات مذکورہ بالا سے یہ بات نہایت وضاحت سے معلوم ہوگئی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ ایک خاص قسم کی خصوصیت اور محبت تھی، اور ان کے فضائل اور خلیفہ برحق ہونے کے قائل تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ہر وقت اسلام میں ایک شخص کی ضرورت ہے جو امانت و دیانت سے نبوت کے کاموں کو بطور خلافت و نیابت انجام دے، جس کے فضل و کمال پر اہل حل و عقد اتفاق کر کے اس کو اپنا امیر تسلیم کرلیں، چنانچہ یہ امور خلفائے ثلاثہ میں پائے گئے ۔

علیؓ کو آرزوے خلافت نہ تھی :

چونکہ ابھی معلوم ہوا کہ خلافتِ نبوت ایسی چیز نہیں کہ کوئی متدین و خدا ترس شخص اس کا طالب ہو سکے، اسی وجہ سے جب حضرت علیؓ کی نوبت آئی تو اس کے قبول کرنے سے آپ انکار کر گئے اور بہت دیر کی ردو قدح کے بعد بہ مجبوری قبول فرمایا ۔ اب جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو آرزو تھی کہ آپ خلیفہ اول بنائے جائیں! سو یہ بالکل خلاف درایت و روایت ہے، کیونکہ مختلف و متعدد روایتوں سے ابھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا نہ کسی اور کو، بلکہ قرائن واشارات اور پیشین گوئیوں کے ذریعہ سے معلوم کرادیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اہل اسلام خلیفہ مقرر کرلیں گے، اور اللہ تعالی کو بھی یہی منظور ہے، تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ باوجود اس علم کے علیؓ خلاف مرضی خدا و رسول ایسی چیز کی آرزو کرتے جس میں

ہزارہا ذمہ داریاں ہوں اور سردست کوئی نفع بھی نہیں یہاں تک کہ معمولی کھانا اور کپڑا خلیفہ کو نصیب ہونا مشکل تھا، جس کے ثبوت میں خود علی کرم اللہ وجہہ کے حالات گواہِ عدل ہیں، جن سے نہ شیعہ کو انکار ہے نہ اہل سنت کو، یہی وجہ تھی کہ شیخینؓ بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم پہلے ہی مر گئے ہوتے۔ اب کہئے کہ ایسی خلافت کی آرزو عقل کی رو سے کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟! ہر چند روایاتِ خلافتِ شیخینؓ حاکم نے "مستدرک" میں کثرت سے ذکر کی ہیں اور حاکم شیعی شخص ہیں۔

خلافتِ ابوبکرؓ کی حقانیت پر قرائن :

اگر ان تمام امور سے بھی قطع نظر کر کے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جو احادیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے باب میں وارد ہیں سنیوں کی بنائی ہوئی ہیں، تب بھی عقل اس کو قبول نہیں کرتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر فرمادیا تھا اور کل صحابہ نے عدول حکمی کی!! کیونکہ عدول حکمی کے لئے کوئی ایسا قوی سبب چاہئے کہ عمر بھر کی خوش اعتقادیوں پر پانی پھیر کر چند ساعتوں میں پوری مخالفت پر آمادہ کر سکے، آیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کل صحابہ آنحضرتؐ کے ہر حکم پر جان فدا کرنے کو سعادت ابدی کا ذریعہ جانتے نہ تھے!! اور کیا یہ کسی کا عقیدہ تھا کہ آنحضرتؐ کے احکام بعد وفات قابل نفاذ نہیں؟! بلکہ سارے صحابہ جانتے اور مانتے تھے کہ جو کچھ آپ نے قرار دیا اور حکم فرمایا وہ بالکل ہمیشہ کے لئے قابل نفاذ ہے۔ [illegible] کو مثل معاویہ کے پہلے سے کوئی حکومت حاصل نہ تھی جس سے فوج

کشی کر کے سب کو مقہور کرنے کا احتمال ہو سکے، نہ ان کا قبیلہ ایسا پرزور اور جنگجو تھا جس کی ہیبت کل صحابہؓ پر طاری ہو گئی ہو، بلکہ ان کا قبیلہ تمام قبائل قریش میں چھوٹا اور کم وقعت سمجھا جاتا تھا جیسا کہ ابو سفیانؓ کے قول سے ابھی معلوم ہوا۔ غرضکہ کوئی سبب ایسا خیال میں نہیں آتا جس نے کل صحابہؓ بلکہ خود علی کرم اللہ وجہہ کو مخالفتِ حکم نبوی پر مجبور کیا ہو!! کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ اگر مامور یا مستحق تھے تو ان کا فرض تھا کہ کبھی اس سے کوتاہی اور تقاعد نہ کرتے، جیسا کہ عثمانؓ شہید ہو گئے مگر خلافت کو نہ چھوڑا صرف اس بنا پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنایۃً فرمایا تھا کہ: "اے عثمان امید ہے کہ خدائے تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے اگر لوگ اس کو اتارنا چاہیں تو تم اتارنے نہ دو"۔ جیسا کہ حاکم نے اس روایت کو مستدرک میں بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ روایت جس میں علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "اگر میں ولی عہد ہوتا تو ابو بکرؓ کو آنحضرتؐ کے منبر پر کھڑے رہنے نہ دیتا" صحیح ہے۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا جانشین قرار دیتے تو ممکن نہ تھا کہ ہنوز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ کل صحابہ عدول حکمی کر کے ابو بکرؓ کو جانشین مقرر کر دیتے!! کیونکہ دنیوی حیثیت سے ابو بکرؓ میں کون سی ایسی بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک طرف رہ گیا اور ان کی چل گئی؟! اور حضرت علی بھی اس عدول حکمی میں شریک ہو گئے؟!

کلینی میں روایت ہے قال امیر المؤمنین فی کلام له خطب به علی المنبر: یا ایها الناس! اذا علمتم فاعملوا بما علمتم لعلکم تهتدون۔ ان العالم العامل بغیره کالجاهل الحائر الذی لا یستفیق [illegible]

عن جهله ، و لاتداهنوا فی الحق فتقصروا یعنے فرمایا علی کرم اللہ وجہہ نے بر سر منبر کہ : "اے لوگو جب تمہیں کسی بات کا علم ہو گیا تو اس پر عمل کرو، اس صورت میں امید ہے کہ تم ہدایت پاؤ گے ۔ جو جاننے والا بر خلافِ علم عمل کرے وہ مثل جاہل حیران کے ہے کہ جہل سے اس کو افاقہ ہی نہیں ، اور حق بات میں مداہنت نہ کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے "۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی خلافت متصلہ بلافصل کا علم ہوتا تو آپ کبھی مداہنت نہ کرتے ، کیا ایسا ممکن ہے کہ لوگوں کو تو آپ بر سر منبر عمل کرنے کو فرمائیں اور خود آپ ہی نے عمل نہ کیا ہو ؟!

کلینی میں روایت ہے عن ابی عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم : الفقهاء اُمناء الرسل مالم یدخلوا فی الدنیا - قیل یارسول اللہ و ما دخولهم فی الدنیا ؟ قال : اتباع السلطان ، فاذا فعلوا ذلک فاحذروهم علی دینکم ابو عبداللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ : "فقہاء رسولوں کے امانتدار و نائب ہیں اس وقت تک کہ دنیا میں داخل نہ ہوں ، کسی نے پوچھا کہ ان کے دنیا میں داخل ہونے کی کیا صورت ہے ؟ فرمایا اقتدار کی متابعت ، جب وہ یہ کام کرنے لگیں تو تم ان سے بچو کہ کہیں تمہارا دین خراب نہ کر دیں "۔ دیکھئے ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام تک جب یہ روایت پہونچی تھی تو علی کرم اللہ وجہہ تو اس کو ضرور جانتے تھے !! اور متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ آپؓ خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں میں اہل شوریٰ میں شریک تھے اور دربار خلافت میں ہمیشہ جایا کرتے تھے معین و مددگار رہتے اور ان کی اطاعت پوری پوری کرتے تھے ، اگر

آپؓ ان کو غاصبین و سلاطین سمجھتے تو ان کی مجلسوں میں کبھی داخل نہ ہوتے اور کبھی دنیاداری کا عار اپنے ذمہ نہ لیتے کیونکہ آپ باتفاق فریقین "اورع" تھے ، اس سے ظاہر ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو آپؓ نے "خلافت حقہ" تسلیم فرمالیا تھا ۔

کلینی میں روایت ہے عن معاویة بن وهب قال سمعت ابا عبد اللہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم : ان عند کل بدعة تکون من بعدی یکاد بها الایمان ولیاً من أهل بیتی موکلاً به یذب عنه ، من ینطق بالهام من اللہ و یعلن الحق و ینوره و یرد کید الکائدین یعبر عن الضعفاء ، فاعتبروا یا اولی الابصار و توکلوا علی اللہ یعنے ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جب کوئی بدعت نکلے جس سے ایمان میں کسی قسم کی خرابی واقع ہو تو اس وقت ایک ولی میرے اہل بیت سے والی ہو جائے گا تا کہ ایمان سے ان خرابیوں کو دفع کرے ، اللہ کی طرف سے اس کو الہام ہوا کرے گا جس کو وہ بیان کرے گا اور حق کا اعلان کر کے اس کو روشن کر دے گا اور کید کرنے والوں کے کید کو رد کر دے گا "۔ اس روایت سے ثابت ہے کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت مکر و کید سے حاصل نہیں کی گئی تھی ، ورنہ علی کرم اللہ وجہہ کا فرض ہوتا کہ اپنے الہاموں کے ذریعہ سے حق کا اعلان کر کے مبرہن اور کھلم کھلا ان کے کید کو ظاہر فرمادیتے ۔

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمهور القمی یرفعه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : اذا ظهرت البدع فی امتی فلیظهر العالم علمه ، فمن لم یفعل فعلیه لعنة اللہ یعنے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جب میری امت میں بدعتیں ظاہر ہوں تو عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے ، اور جس نے ایسا نہیں کیا اس پر خدا کی لعنت ہو" ۔ غور کیا جائے کہ اگر خلفائے ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکامات بدعت تھے تو علی کرم اللہ وجہہ پر ان کی تائید کرنا حرام تھا !! حالانکہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے کہ آپ ہر موقعہ پر ان حضرات کی تائید کو دین کی تائید سمجھتے رہے ، ورنہ آپ ان کی مجلسوں میں ہرگز نہ جاتے جس سے ان کی تعظیم ہوتی تھی ، کیوں کہ اس وقت آپ کا جانا بہ حیثیت اتباع اور اطاعت تھا ، نہ کہ بہ حیثیت حاکمیت یا اکراہ ۔

کلینی میں روایت ہے عن محمد بن جمهور رفعه قال : من اتیٰ ذا بدعة فعظمه فانما یسعی فی هدم الاسلام یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ : "جو شخص کسی بدعتی شخص کے پاس جاکر اس کی تعظیم کرے یا اس کو بزرگ بنائے تو اس نے بنیاد اسلام کو ڈھانے میں کوشش کی" ۔ اب غور کیجئے کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسلام کے ڈھانے میں کوشش کی ہوگی !! نعوذ باللّٰہ من ذلک ۔

کلینی میں روایت ہے کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ : "نہ اہل بدعت کے ساتھ رہو نہ ان کے ہم نشیں بنو ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ : "آدمی اپنے دوست اور قرین کے دین پر ہوتا ہے" ۔

اور اسی کے صفحہ ۵۵۴ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "جب میرے بعد اہل بدعت کو دیکھو تو ان سے اپنی تبری کرو اور انہیں زجر و توبیخ کرو اور خوب ڈانٹ ڈپٹ کرو" ۔ الحاصل متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ اہل

بدعت سے احتراز اور تبری ضروری ہے ، اور علی کرم اللہ وجہہ نے خلفائے ثلاثہ سے کبھی علحدگی اختیار نہیں بلکہ ان کے ہم نشیں رہا کرتے تھے !! اس سے اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت بدعت نہ تھی بلکہ "خلافت حقہ" تھی جس کی تائید حضرت علیؓ بہ نفس نفیس فرماتے تھے ۔

علی کرم اللہ وجہہ تو لڑکپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں رہ چکے تھے ، ابتداء سے دیکھا کئے کہ کفار نے کیسی کیسی ایذائیں حضرتؐ کو دیں ، چنانچہ خود آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ "جس طرح مجھے اذیتیں دی گئیں کسی نبی کو نہیں دی گئیں" باوجود اس کے آپؐ نے دعوائے نبوت سے کبھی کوتاہی یا تقاعد نہیں کیا ، اسی طرح علیؓ کا بھی فرض تھا کہ دعوائے خلافت سے تقاعد نہ فرماتے کیونکہ وہ خلافت "خلافتِ نبوت" تھی جس سے نبوت کے کام متعلق تھے ، حالانکہ کسی روایت سے ثابت نہیں کہ علیؓ نے علی الاعلان دعوائے خلافت کیا ہو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے طرفداروں نے آپ کو دھمکی دی ہو جس سے ڈر کر علیؓ نے دعوائے خلافت چھوڑ دیا !!

تقیہ کا خیال نہیں ہو سکتا :

اگر کہا جائے کہ علیؓ نے تقیہ کیا ، تو یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا ، اس لئے کہ ابو بکرؓ کا قبیلہ کچھ باوقعت نہ تھا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا ، بخلاف اس کے علی کرم اللہ وجہہ کا قبیلہ تمام عرب میں جس شوکت و شکوہ کا تھا اظہر من الشمس ہے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان فدا کرنے والے کل صحابہ تھے ، اور حضرت علیؓ کی جو قرابت اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی ظاہر ہے ، اور

مقتضائے طبع انسانی ہے کہ اپنے کریم اور شفیق آقا کے قرابتدار نہایت عزیز ہوا کرتے ہیں اور اس کے انتقال کے ساتھ ہی وارث قوی کو اس کا جانشین بنا دیتے ہیں، جیسا کہ کتب تواریخ وغیرہ سے ظاہر ہے۔ دیکھئے باوجودیکہ علی کرم اللہ وجہہ نے امام حسن علیہ السلام کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں فرمایا مگر علیؑ کی شہادت کے ساتھ ہی جتنے مسلمان آپ کے زیر فرمان تھے سب نے ان کو آپؑ کا جانشین تسلیم کر لیا حالانکہ وہ وقت سخت آزمائش اور فتنہ کا تھا، اِدھر ایک بڑی سلطنت کا مقابلہ درپیش اور اُدھر اپنی باغی فوج یعنے خوارج کا خوف لگا ہوا، برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تو مخالفت کا نام بھی نہ تھا۔ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو بلحاظ قرابت یہ اطمینان ضرور حاصل تھا کہ کوئی صحابی آپ کا مخالف نہیں، چنانچہ حاکم نے "مستدرک" میں روایت کی ہے کہ : نزال ابن سبرہ نے علیؑ سے پوچھا کہ آپ کے اصحاب کون ہیں؟ فرمایا : "کل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اصحاب ہیں"۔ ان قرائن سے ثابت ہے کہ اگر پہلے سے آپ خلیفہ مقرر ہو چکے تھے تو آپ کو تقیہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی صرف دعویٰ کرنا کافی تھا۔

شجاعت علی کرم اللہ وجہہ :

پھر آپؑ کی شجاعت پر نظر ڈالی جائے تو عقل ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ آپ نے بزدلی کی ہو ! دیکھئے جنگ خیبر وغیرہ کے معرکوں میں جس انداز سے آپؑ نے داد شجاعت دی کتب سیر و احادیث سے ظاہر ہے، پھر یہ شجاعت رسول اکرمؐ ہی کے زمانہ ہی پر منحصر نہیں رہی بلکہ معاویہؓ کے مقابلہ میں جو معرکہ آرائیاں آپؑ نے کیں

ان کا بھی جواب نہیں، حالانکہ اس وقت آپؑ کی عمر شریف ساٹھ سال سے متجاوز تھی آپؑ کی عمر شریف انتقال کے وقت ترسٹھ سال کی تھی جیسا کہ "استیعاب" وغیرہ میں لکھا ہے، اور کل مدت خلافت چار سال اور چند ماہ ہے۔ جب اس پیرانہ سالی میں آپؑ کی شجاعت کا یہ حال ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جبکہ تخمیناً تیس سال کی آپ کی عمر تھی اور شباب کا زمانہ تھا تو آپؑ کے تہور کا کیا حال ہو گا۔

تاریخ کامل میں روایت ہے کہ لشکر معاویہؓ نے عمارؓ بن یاسر کو شہید کیا تو علی کرم اللہ وجہہ نے صرف بارہ شخصوں کو ہمراہ لے کر لشکر پر حملہ کیا اور تمام لشکر کی صفوں کے چیرتے ہوئے معاویہؓ کے ڈیرے کے قریب پہونچ گئے اور پکار کر فرمایا اے معاویہؓ طرفین کے لوگ مفت میں مارے جا رہے ہیں اس سے کیا فائدہ فیصلہ اسی پر قرار دیا جائے کہ تم ہم بہ ذات خود لڑیں جو اپنے حریف کو مارے وہی مستقل ہو جائے ! عمرو بن العاص نے معاویہ سے کہا : بات تو ٹھیک کہہ رہے ہیں ! معاویہؓ نے جواب دیا : یہ تمہارا ظلم ہے تم جانتے ہو کہ علیؑ کے مقابلہ میں جو آیا مارا گیا! عمرو نے کہا ان کے مقابلہ سے تمہارا اٹال جانا بے موقعہ ہے، کہا: اس سے تمہارا مطلب معلوم ہو گیا تم چاہتے ہو کہ مجھے مروا ڈال کر خود حکومت کے مزے اڑاؤ ! یہ معاف کیجئے۔

اور علامہ ابن اثیر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب معرکہ صفین میں اہل شام کی فوج کثیر نے علی کرم اللہ وجہہ کے میمنہ لشکر پر حملہ کیا اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان خالی ہو گیا تو حضرت علیؑ پا پیادہ میسرہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت تینوں صاحبزادے آپ کے ہمراہ تھے، ہر طرف سے تیروں کی بوچھاڑ آپ پر ہونے لگی.

ابو سفیان کا غلام جس کا نام "احمر" تھا حضرتؑ پر لپکا، آپؑ کا غلام کیسان اس کے
مقابل ہوا، بعد معرکہ آرائی کے احمر غالب آیا، حضرتؑ آگے بڑھے اور اس کو پکڑنا
چاہا، وہ بھاگا مگر اس کی زرہ بکتر آپ کے ہاتھ میں آگئی اسی کو پکڑ کے اس کو سر تک اٹھا
کر زمین پر ایسا دے مارا کہ اس کے دونوں مونڈھے اور بازو ٹوٹ گئے، اور ادھر
میسرہ کی فوج سے بھی ایک قبیلہ شکست کھا کر بھاگا اور میدان خالی ہوگیا، شامیوں
نے جب آپؑ کو اس حالت میں دیکھا تو ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، امام حسن علیہ
السلام نے عرض کی کہ: یا حضرت دوڑ کر اپنے لوگوں میں جاملیں تو بہتر ہوگا! فرمایا:
"تمہارے باپ کی موت کا ایک روز معیّن ہے، نہ دوڑنے سے اس میں دیر ہوگی نہ
چلنے سے وہ جلد آجائے گا، خدا کی قسم تمہارے باپ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ
موت پر واقع ہو یا موت اس پر واقع ہو" ۔ اب کہئے کہ جن کی بڑھاپے میں یہ حالت
ہو تو عین شباب کے زمانہ میں کیا حال ہوگا!!

واقعۂ اخراجِ ابوذر رضی اللہ عنہ:

مروج الذہب وغیرہ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ ایک
روز عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوئے، عثمانؓ نے حضار مجلس سے پوچھا
کہ اگر کسی نے اپنے مال کی زکاۃ پوری ادا کر دی تو کیا اس مال سے پھر اور کوئی حق
متعلق ہوگا؟ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: نہیں یا امیرالمؤمنین ۔ یہ سنتے ہی
ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک چپت ان کے لگائی اور کہا: اے یہودی کے لونڈے تو
جھوٹ کہتا ہے! اور یہ آیتیں پڑھیں **لیس البر أن تولوا وجوهكم قبل
المشرق و المغرب** ۔ الخ اس کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تم

لوگ اس بات میں کوئی حرج سمجھتے ہو کہ جو واقعات ہم پر پیش آتے ہیں ان کے لئے
بیت المال سے کچھ مال لے کر خرچ کریں اور مسلمانوں کو بھی دیں؟ کعب احبارؒ
نے کہا کچھ مضایقہ نہیں! ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً ایک لاٹھی ان کو
دے ماری اور کہا: اے یہودی کے لونڈے تجھے اتنی جرأت ہوئی کہ ہمارے دین
کے مسئلے بنانے لگا! عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی ان بے موقعہ حرکتوں سے سخت
رنج ہوا اور فرمایا کہ: تم مجھے بہت ایذا پہونچانے لگے، مناسب یہ ہے کہ یہاں سے
کہیں اور چلے جاؤ! چنانچہ وہ شام کو چلے گئے ۔ چونکہ ابوذرؓ کو اس پر اصرار تھا کہ ہر
مسلمان پر لازمی ہے کہ اپنا کل مال راہ خدا میں صرف کر کے فقیر بنا رہے، وہاں بھی
اسی قسم کے مناظرے مباحثے ہونے لگے، اور لوگ کچھ تو استفادہ کی غرض سے اور
کچھ چھیڑ کر باتیں سننے کے لئے آپ کے پاس جمع ہوتے اور جہاں بیٹھتے وہاں ایک مجمع
ہوجاتا، معاویہؓ نے ان کی شکایت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھی کہ مجھے خوف ہے کہ
ابوذر رضی اللہ عنہ کی تقریر سے لوگوں کے خیالات آپ سے برگشتہ ہوجائیں!
عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ ان کو مدینہ بھیج دو! چونکہ
معاویہؓ کو ان سے مخالفت ہوگئی تھی بطور سزا اونٹ پر سوار کر کے روانہ کیا جس پر
صرف لکڑیوں کا کجاوہ تھا جس سے آپ کے پاؤں سخت زخمی ہوئے، یہاں تک کہ
لوگوں نے کہا شاید ان زخموں سے ابوذرؓ مرجائیں گے؟! کہا: یہ ممکن نہیں جب
تک میں کئی شہروں سے نہ نکالا جاؤں ۔ اس کے بعد بہت سے پیش آنے والے
واقعات بیان کر گئے اپنی تجہیز و تکفین کی کیفیت اور دفن کرنے والوں کے نام تک
بتادئے، اسی اثناء میں ابوالعاص کی اولاد کے بھی کچھ حالات بطور پیشین گوئی بیان
کئے، اتفاقاً اسی روز عبدالرحمنؓ بن عوف کے ترکہ کے دراہم عثمان رضی اللہ عنہ کے

روبرو لائے گئے جن کا ڈھیر قد آدم سے اونچا تھا، عثمان رضی اللہ عنہ نے بطور ذکر محاسن فرمایا کہ : عبدالرحمن اچھے شخص تھے مجھے امید ہے کہ ان کی حالت اچھی ہوگی کیونکہ وہ صدقات دیتے اور مہمان داری کرتے تھے! کعب احبارؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ سچ کہتے ہیں! یہ سنتے ہی ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک لاٹھی ان کے سر پر رسید کی اور کہا : اے یہودی کے لونڈے وہ شخص جو مر گیا اور اتنا مال چھوڑ گیا اس کی نسبت تو یقینی طور پر کہتا ہے کہ خدا نے خیر دنیا اور آخرت اس کو دی؟ حالانکہ خود میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے : "مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں مروں اور ایک قیراط کے برابر مال چھوڑوں"۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ حرکت دیکھ کر کہا کہ اب آپ یہاں سے اور کہیں تشریف لے جائیں ! کہا میں مکہ کو جاتا ہوں تاکہ خدا کے گھر سے فائدہ اٹھاؤں اور عبادت میں مشغول رہوں یہاں تک کہ وہیں مرجاؤں ! کہا یہ نہیں ہوسکتا، کہا شام کو جاؤں؟ فرمایا نہیں، کہا بصرہ کو؟ کہا ان شہروں کے سوا اور کوئی مقام تجویز کیجئے، کہا اگر مجھے دارالہجرت یعنے مدینہ ہی میں رہنے دیں تو پھر مجھے کسی شہر کو جانے کی ضرورت نہیں اور جب آپ یہ نہیں چاہتے تو جہاں آپ کو منظور ہو روانہ کر دیجئے۔ فرمایا میں تمہیں "ربذہ" کو روانہ کرتا ہوں، یہ سنتے ہی "اللہ اکبر" کا نعرہ مار کر کہا صدق رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعنے آنحضرتؐ نے سچ فرمایا تھا ! عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرتؐ نے کیا فرمایا تھا؟ کہا میں مکہ اور مدینہ سے روک دیا جاؤں گا اور ربذہ میں مروں گا اور میری تجہیز و تکفین کے متکفل وہ لوگ ہوں گے جو عراق سے حجاز کو جا رہے ہوں گے۔ اس کے بعد ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ منگوایا اور اپنی بیوی اور صاحبزادی کو اس پر سوار کر کے ربذہ کی طرف روانہ

ہوئے، عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو ان کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ ان سے کسی کو ملنے نہ دو! جب وہ شہر کے باہر ہوئے تو علی کرم اللہ وجہہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی آپ اپنے دونوں صاحبزادوں اور بھائی عقیل اور عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسر کو ہمراہ لے کر ان کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، مروان نے حائل ہو کر کہا کہ اے علی! امیر المؤمنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی کو ان سے ملنے اور مشایعت کرنے نہ دوں ! علی رضی اللہ عنہ نے غصہ سے اس کی سواری کے جانور کو زور سے کوڑا مار کر فرمایا ہٹ کمبخت خدا تجھ کو آگ میں ڈالے ! پھر اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے تھوڑی دور تک ابوذر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے اور رخصت کر کے واپس تشریف لائے۔ ادھر مروان نے جا کر یہ کل واقعات عثمان رضی اللہ عنہ سے کہہ دیے، عثمانؓ علی کرم اللہ وجہہ کی اس حرکت سے سخت ناخوش ہوئے، لوگوں نے علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ پر نہایت غصہ ہیں، علیؓ نے فرمایا ان کا غصہ ایسا ہے جیسے گھوڑا لگام پر غصہ کرتا ہے! پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ عثمان رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے، انہوں نے کہا : اے علی! تم نے جو مراون کے ساتھ کیا اور مجھ پر جرأت کی اور میرے فرستادہ شخص کو اور میرے حکم کو رد کر دیا اس کی کیا وجہ تھی؟ علیؓ نے کہا : مروان مجھے پھیرنا چاہتا تھا میں نے اس کو پھیر دیا، آپ کے حکم کو نہیں رد کیا ! عثمانؓ نے کہا تمہیں یہ معلوم نہ تھا کہ میں نے اس کو حکم دیا تھا کہ کسی کو ابوذرؓ سے ملنے نہ دے؟ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کیا تم جس بات کو طاعت الٰہی سمجھ کر حکم دو وہ حق ہے اور اس کے خلاف باطل؟ کیا ایسی باتوں میں بھی ہم تمہاری اطاعت کریں گے؟ خدا کی قسم یہ تو کبھی نہ ہوگا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا : مروان کا بدلہ دو کہ جس طرح تم نے اس کے جانور کو مارا

ہے وہ بھی تمہارے جانور کو مارے! علیؓ نے کہا اس کا جانور میرا ہی جانور ہے کہو کہ اس کو مارا کرے، اور خیال رہے کہ اگر وہ مجھ سے سخت کلامی کرے گا تو میں اسی قسم کی سخت کلامی تم سے کروں گا۔ پھر اسی قسم کی سخت کلامیاں طرفین سے ہوئیں جس سے عثمان رضی اللہ عنہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اٹھ کر گھر میں چلے گئے اور علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر تشریف لائے۔

ناسخ التواریخ میں بھی یہ واقعہ مع شیٔ زائد تفصیل سے لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ شیعہ اور سنی دونوں اس واقعہ کے قائل ہیں۔ اب غور کیجئے کہ مروان علاوہ اس کے کہ عثمان کا قرابتدار تھا ان کا وزیر بھی سمجھا جاتا تھا، ایسے شخص پر حملہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں، وزیر پر اس قسم کا حملہ کرنا اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو اور اس کو تعمیل سے روک دینا کیا کسی سے ہو سکتا ہے؟ یہ اسد اللہ الغالب ہی کی شان تھی کہ ایک ادنیٰ معاملہ میں جو ایک مسلمان شخص کی مشایعت سے متعلق تھا خلیفۂ وقت سے بگاڑ پیدا کر لی۔ کیا اس کے بعد بھی یہ قرین قیاس ہو گا کہ آپ نے دب کر خلافت چھوڑ دی؟ اور اپنی صاحبزادی کے نکاح کے معاملہ میں خاموش ہو گئے؟! جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہو گا۔

چونکہ یہ ایک معرکہ آرا مسئلہ ہے اس لئے اگر مقصود سے زائد بھی اس میں خامہ فرسائی کی جائے تو بے موقعہ نہ ہو گی۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کا اس طرح نکالا جانا گو مسلمانوں کے دلوں پر ایک برا اثر ڈالتا ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ ان کا یہ اجتہاد کہ ہر مسلمان کا فقیر رہنا ایک ضروری امر ہے، اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے صحابی کو بعد وفات برا بھلا کہہ دینا ان باتوں کا اثر کس قدر [illegible]

برا ہوتا؟! تھوڑے لوگ فقر پسند اور خوش اعتقاد تو ان کی بات مان لیتے اور ایک جماعت ہم خیال بن جاتی، مگر یہ ممکن نہیں کہ سب ان کے سے ہو جائیں، کیونکہ ان کی طبیعت خاص قسم کی تھی جیسا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو استیعاب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری امت میں ابوذر عیسیٰ علیہ السلام کے زہد پر ہیں" اس تخصیص سے ظاہر ہے کہ سب ان کے جیسے زاہد نہیں ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں ایک بڑی جماعت ان کی مخالف ہو جاتی کیونکہ نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث میں کہ ہر آدمی فقیر بنا رہے، اگر یہی بات ہوتی تو زکاۃ کا حکم ہی نہ ہوتا کیونکہ زکاۃ تو جب واجب ہو کہ ایک سال تک مال نصاب ملکیت میں رہے اس وقت اس کا چالیسواں حصہ دینے کا حکم ہے۔

اور قطع نظر اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اغنیاء موجود تھے، چنانچہ خود عثمان رضی اللہ عنہ اتنے مالدار تھے کہ پورے لشکر کا ساز و سامان مہیا کر دیا جس سے آنحضرتؐ نہایت خوش ہوئے، اگر ہر شخص کا فقیر رہنا لازمی ہوتا تو حضرتؐ ان پر خفا ہو جاتے کہ تم نے اتنا مال کیوں رکھا۔ غرضکہ غنیٰ پسند بھی ایک جماعت بن جاتی اور دونوں جماعتوں میں سخت ناچاقی ہوتی، کیونکہ ابوذر رضی اللہ عنہ تو مغلوب الغیظ تھے بغیر لاٹھی کے بات ہی نہیں کرتے تھے، پھر طرفین سے لاٹھی چلتی تو اس کے بعد شمشیر کی نوبت بھی پہونچ جاتی! اسی فتنہ و فساد کے خدشہ سے عثمان رضی اللہ عنہ نے ابوذرؓ کو شہروں سے علحدہ کر دیا اور ایسی ان کے قیام کے لئے جگہ تجویز کی کہ وہاں غنیٰ کا گزر ہی نہ ہو۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی بھی اصل کچھ اور ہی ہے، وہ یہ ہے کہ تقدیر الٰہی جاری ہو چکی تھی کہ وہ مقام ربذہ میں رہیں، چنانچہ خود انہوں نے تصریح کر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم ان سے کہہ چکے تھے کہ وہ ربذہ میں رہیں گے ، اس پیشین گوئی کے پوری
ہونے کے لئے ان سے ایسے امور وقوع میں آنے لازمی تھے جن سے عثمان رضی اللہ
عنہ مجبور ہو کر ان کو کہیں دور روانہ کر دیں ۔ پھر اس مقام کی تعیین میں نہ ابو ذرؓ
کی درخواست تھی نہ اور کوئی سبب بلکہ منجانب اللہ عثمانؓ پر القاء ہو گیا ، ورنہ عجم یا
افریقہ کے کسی جنگل میں روانہ کر دیتے ۔ غرضکہ ہوتا وہی ہے جو منظور الٰہی ہے اور
ظاہر میں اسباب قائم کر دیے جاتے ہیں ۔ اسی پر جتنے وقائع صحابہؓ کے زمانہ میں پیش
آئے سب کو قیاس کر لیجئے ۔

حالِ وفاتِ ابو ذرؓ:

اب ابو ذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا حال بھی سن لیجئے ! علامہ ابن اثیر نے
تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ سنہ ۳۲ھ میں جب ابو ذرؓ کے انتقال کا وقت قریب پہونچا
تو انہوں نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ : کیا کوئی آتا ہوا نظر آرہا ہے ؟ کہا نہیں !
فرمایا ابھی میرا وقت نہیں آیا ، پھر فرمایا ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکالو ،
اور فرمایا کہ بقریب میں صلحاء کی ایک جماعت آئے گی اور وہ لوگ مجھے دفن کریں
گے جب وہ دفن سے فارغ ہو جائیں تو ان سے یہ کہنا کہ ابو ذر آپ لوگوں کو قسم
دے گئے ہیں کہ جب تک آپ کھانا نہ کھائیں سوار نہ ہوں ۔ جب گوشت پک گیا
تو فرمایا دیکھو تو کوئی آتا ہوا نظر آتا ہے ؟ عرض کی جی ہاں کئی سوار آرہے ہیں ، فرمایا
اب مجھے قبلہ رو بٹھا دو ! جب بٹھا دیے گئے تو یہ الفاظ کہے بسم اللہ ، و باللہ ،
و علی ملة رسول اللہ صلی علیه و سلم اور یہ جملہ ختم ہوتے ہی روح
پاک عالم علوی کی طرف پرواز کر گئی اور انتقال ہو گیا ، صاحبزادی اس جماعت کی

طرف گئیں اور ان سے کہا کہ خدا آپ لوگوں پر رحم کرے ابو ذرؓ کی تجہیز و تکفین
کر دیجئے ! کہا وہ کہاں ہیں ؟ اشارہ سے بتلادیا ، انہوں نے کہا : الحمد للہ خدائے تعالیٰ
نے ہمیں یہ اعزاز و اکرام بخشا کہ ہم ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوگئے ۔ اس
جماعت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کئی صلحاء تھے ، ابن مسعودؓ نے رو
کر کہا کہ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یموت وحدہ و یبعث
وحدہ یعنے "ابو ذر تنہا مریں گے اور تنہا اٹھیں گے" ۔ پھر غسل دے کر کفنایا
اور نماز جنازہ پڑھی ، اور دفن کر کے جب جانے لگے تو صاحبزادی نے کہا کہ انہوں
نے آپ کو قسم دی ہے کہ یہاں کھانا کھا کر جائیں چنانچہ کھانا بھی تیار ہے ! سب
نے خوشی سے قبول کیا اور بعد فراغت روانہ ہوئے ۔

کلام علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت میں تھا اور واقعہ مذکورہ سے ثابت ہو گیا
کہ چھوٹے چھوٹے اجتہادی امور میں بھی آپؓ پر خلیفۂ وقت کا رعب نہیں ہوتا تھا
اور حکومت کے مقابل ہو جاتے تھے ۔

ناسخ التواریخ کے صفحہ ۴۱۸ میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں صرف ایک
رات جو اپنے ہاتھ سے لشکر شام کو علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا بروایت سمعانی
معاویہؓ کے قول سے ثابت ہے کہ وہ نو سو (۹۰۰) سے زیادہ آدمی تھے

اب خیال کیجئے کہ نو سو آدمی کم نہیں ہوتے ! اگر بلا مزاحمت اتنے آدمیوں
کو کوئی شخص باندھ کر بھی قتل کرے تو اس کے ہاتھ ساتھ نہ دیں گے ۔ پھر عین
معرکۂ جنگ میں اور وہ بھی ایسے وقت کہ ایک فوج جرار کا مقابلہ ہو جس میں سے
ہر شخص کا یہ خیال ہو کہ اگر آپ کو مار لے تو فیصلہ ہو جائے ، اور ہر طرف سے شمشیر
و تیر کا مینہ برس رہا ہو ، ایسی حالت میں اپنے آپ کو بچا کر اتنے لوگوں کو قتل کرنا

کیا سوائے "اسد اللہ الغالب" کے دوسرے سے ممکن ہے ؟! اس میں کوئی شبہ نہیں
کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آیۃ من آیات اللہ تھے ۔

قلعۂ خیبر کے دروازہ کا واقعہ :

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ روایت منقول ہے کہ علی کرم
اللہ وجہہ نے جنگ خیبر میں قلعہ کا دروازہ اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا، وہ دروازہ
اتنا سنگین تھا کہ ستر (۷۰) آدمیوں نے بڑی مشقت سے اس کو حرکت دی ۔ دیکھئے
قلعہ کا دروازہ اتنا بڑا کہ ستر آدمیوں سے ہل نہ سکے وہ بھی پڑا ہوا نہیں بلکہ اپنی جگہ
پر منصوب اور سنگین دیواروں میں پیوستہ ، اس کو اکھاڑ کر سپر بنانا کیا معمولی
طاقتِ انسانی کا کام ہے ؟! ہرگز نہیں ۔

ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۶ میں لکھا ہے کہ معاویہؓ مقام "رفیع" میں لبِ فرات
اپنے لشکر میں بیٹھے تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ کا لشکر پہونچا ، معاویہؓ نے عمرو بن
العاصؓ سے کہا کہ دیکھو ابوالحسن کا لشکر نہایت آراستہ و پیراستہ چلا آرہا ہے !!
عمرو بن العاصؓ نے کہا اے معاویہ ! اب آمادۂ جنگ ہو جاؤ ، سخت مصیبت کا سامنا
ہے ، تم نہیں جانتے کہ علی بن ابی طالب کیسے شخص ہیں ؟ خدا کی قسم اگر تمام لشکر
شام ایک دل ہو کر ان کا مقابلہ کرے اور وہ تن تنہا ہوں تب بھی ان کو کچھ خوف
نہ ہوگا اور بلاخوف و ہراس وہ سب سے لڑیں گے اور فتح پائیں گے ۔ معاویہؓ نے کہا
یہ درست ہے مگر آدمی کو چاہیئے کہ ہمت نہ ہارے ۔ دیکھئے دشمن جب آپ کی اس
قدر شجاعت مان گئے ہوں تو فی نفسہ کیا حال ہوگا ۔

نہج البلاغہ صفحہ ۴۵ میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے و اللہ لو
تظاھرت العرب علی قتالی لما ولیت عنھا یعنے : "خدا کی قسم اگر تمام

عرب ایک دوسرے کی مدد کر کے مجتمع طور پر مجھ سے جنگ کرنا چاہیں تو میں ہرگز
ان سے منہ نہ موڑوں گا" ۔ اب کہیئے کیا اس شجاعت کا یہ لازمہ ہو سکتا ہے کہ کوئی
اپنا حق شرعی چھین لے اور یہ منہ دیکھتے رہ جائیں ؟! یا اپنی صاحبزادی کو (معاذ اللہ)
کوئی غصب کر لے اور دم نہ مار سکیں !!

غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے علیؓ کی معرکہ آرائیاں
اور کارہائے نمایاں اس درجہ تک پہونچ گئے تھے کہ آپ کی شجاعت شہرۂ آفاق تھی ۔
اب کہیئے ایسے شجیع اور زور آور اس قدر (نعوذ باللہ) بزدل ہوئے ہوں گے کہ معاذ
اللہ عمر رضی اللہ کی اس ناشایستہ حرکت سے کچھ جنبش نہ ہوئی ہوگی ؟ اور کیا امام
جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے یہ اقرار کر لیا ہوگا کہ ہمارے خاندان کی ...... کا
(معاذ اللہ) یہ پہلا اغتصاب تھا ؟! جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد
(معاذ اللہ) اس فعل شنیع کا سلسلہ قائم ہو گیا اور کئی ...... معاذ اللہ غصب ہوئے !!

انصاف کی بات یہ ہے کہ جس شخص کی نظر کتب تواریخ میں اہل بیت کرام
کے حالات پر پڑی ہو وہ کبھی ان روایتوں کو صحیح نہیں سمجھ سکتا گو کسی مذہب و ملت
کا آدمی ہو ۔ میری دانست میں اس قسم کی روایتوں کا موجد اور باعث عبد اللہ بن سبا
معلوم ہوتا ہے جس کی بے دینی اور فتنہ انگیزی اور الحاد و زندقہ حضرات شیعہ اور
اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے ۔

ناسخ التواریخ کی جلد سوم صفحہ ۶۱۶ میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام جب
کرامتیں ظاہر کرنے اور غیب کی خبر دینے لگے تو ایک کوتاہ نظر جماعت ان کی
الوہیت کی قائل ہو گئی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشتر ہی یہ خبر دی تھی کہ
یھلک نیک محب غال و مبغض غال یعنے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے کہ "اے علی! تم سے جو حد سے زیادہ محبت رکھے گا وہ بھی ہلاک ہوگا ! اور جو حد سے زیادہ عداوت رکھے گا وہ بھی ہلاک ہوگا" اور امیرالمؤمنین علیہ السلام بھی فرمایا کرتے تھے کہ **یھلک فیَّ رجلان محب مبطر یضعنی غیر موضعی ویمدحنی بما لیس فیَّ، و مبغض مفتر یرمینی بما انا منه بری ء**

یعنے "میری وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ دوست جو حق بات قبول نہ کرے اور جس مقام کا میں نہیں ہوں اس میں مجھے قائم کرے۔ اور جو باتیں مجھ میں نہیں ہیں وہ میری مدح میں بیان کرے۔ دوسرا بغض رکھنے والا مفتری جو ایسے الزام مجھ پر لگائے جن سے میں بری ہوں" ۔ امیرالمؤمنین علیہ السلام جب قتل خوارج سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ ماہ رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں ان سے پوچھا کیا تم مسافر ہو؟ یا بیمار؟ کہا دونوں نہیں۔ فرمایا اگر اہل کتاب سے ہو تو جزیہ دے کر ان مؤاخذوں سے چھوٹ جاؤ۔ کہا ہم اہل کتاب نہیں ہیں، عبداللہ بن سبا جو فرقہ غالیان شیعہ کا پہلا شخص ہے اس نے کہا کہ "انت انت" یعنے : آپ آپ ہی ہو ! یعنے ہم جانتے ہیں کہ آپ کچھ اور ہی ہو مطلب یہ کہ آپ خدا ہو ! امیرالمؤمنین علیہ السلام عملی طور پر اپنی عبودیت ثابت کرنے کے لئے سواری سے اترے اور زمین پر سجدہ کیا پھر فرمایا اے کم بختو میں بھی خدا کا بندہ ہوں خدا سے ڈرو اور تجدید اسلام کرو ! ان لوگوں نے انکار کیا پھر آپ نے یہی فرمایا مگر انہوں نے قبول نہ کیا آخر آپ سوار ہوئے اور حکم دیا کہ ان کی مشکیں باندھ کر مقام قیام تک لے چلیں۔ جب منزل کو پہونچے تو فرمایا نزدیک نزدیک دو گڑھے کھودے جائیں ایک کھلا ہوا دوسرا بند اور دونوں کے بیچ میں راستہ رہے۔ پھر جو گڑھا بند تھا اس میں اس جماعت کو داخل کرکے بازو کے گڑھے

میں لکڑیاں سلگائیں جس کا دھواں اس گڑھے میں بھر گیا مگر اس عذاب کا ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور باوجودیکہ بار بار ان کو کہا جاتا تھا کہ توبہ کرلو تو تمہیں چھوڑ دیتے ہیں مگر انہوں نے اس پر کچھ توجہ نہ کی یہاں تک کہ جب آگ کی حرارت سخت ہوئی اور موت ان کی آنکھوں میں پھر گئی تو اس وقت امیرالمؤمنین سے خطاب کرکہ کہا کہ اب ہمیں یقینی طور پر ظاہر ہوگیا کہ آپ "اللہ" ہو کیونکہ آپ کے چچازاد بھائی جن کو آپ نے نبی بنا کر بھیجا تھا انہوں نے کہا ہے کہ : سوائے رب النار کے یعنے اللہ کے کوئی دوسرا آگ سے عذاب نہ دے۔ اور جب آپ آگ سے عذاب کر رہے ہیں تو ثابت ہوگیا کہ آپ اللہ ہو۔ اور یہی کہتے ہوئے جل کر خاک سیاہ ہوگئے۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت نے عبداللہ بن سبا کی سفارش کی کہ وہ اپنے کئے پر نادم ہوگیا ہے معاف کردیا جائے ! آپ نے ان کی سفارش اس شرط پر قبول کی کہ وہ کوفہ میں نہ رہے بلکہ مدائن کو چلا جائے۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور مدائن ہی میں رہا۔ پھر جب امیرالمؤمنین علیہ السلام شہید ہوئے تو اپنے اعتقادات کو ظاہر کرنا شروع کیا اور لوگ اس کی پیروی کرنے لگے۔ چنانچہ امیرالمؤمنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے کہا کہ : خدا کی قسم اگر ستر تھیلیوں میں علی علیہ السلام کا دماغ لاؤ گے تو بھی ہم یقین نہ کریں گے کہ وہ مرگئے، وہ ہرگز نہ مریں گے جب تک کہ عرب کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکیں گے۔

اثباتِ الوہیت میں ابن سبا کی حکمت عملی :

اس سے ثابت ہے کہ اس جماعت کا سرغنہ اور مقتدا عبداللہ بن سبا تھا جو آگے بڑھ کر علی کرم اللہ وجہہ سے ہم کلام ہوا اور چند لوگوں کو اس غرض سے قتل

کرادیا کہ عوام الناس مسلمانوں کے نزدیک آپؓ کی الوہیت صرف اس دلیل سے مسلم ہوجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا تھا کیوں کہ دوزخ میں جلاکر عذاب دینا صرف خدائے تعالیٰ ہی کا کام ہے ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ صرف اس دلیل سے کسی کی الوہیت ثابت ہوجائے گی ؟ مگر اس نے دیکھا کہ جب اتنے لوگ (جن کی تعداد ستر تھی جیسا کہ بحار الانوار صفحہ ۳۴۳ میں لکھا ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کا اظہار کرکے جرم عشق میں مارے جائیں گے ، اور موت بھی کیسی ؟ جو بحسب حدیث الوہیت پر دلیل بنائی گئی تو یہ واقعہ بغیر اثر کئے نہ رہے گا، چونکہ طبائع مختلف ہوتی ہیں بعض سادہ لوح تو آپ کی الوہیت ہی کے قائل ہوجائیں گے اور بعض یہ سمجھ جائیں گے کہ انہوں نے فرط محبت سے خدا کہدیا، اقلاً نبوت میں تو ضرور شریک ہوں گے جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں شریک تھے ، اور بعضے اس افراط کو بھی پسند نہ کریں گے تو اس کے تو ضرور قائل ہونگے کہ آپ وصی ہونے کی وجہ سے بلافصل خلیفہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم ضرور تھے ۔ غرضکہ یہ شخص بڑا ہی چالاک و مکار تھا ، جن امور کو پیش نظر رکھا تھا ان کا ویسا ہی ظہور ہوا ، چنانچہ بحار الانوار کے صفحہ ۳۴۵ میں قائلین الوہیت علی کرم اللہ وجہہ کے قتل و احراق کا واقعہ بیان کرکے لکھا ہے

ثم احیا ذلک رجل اسمہ محمد بن نصیر النمیری البصری ان اللّٰہ لم یظھر الا فی ھذا العصر و انہ علی وحدہ فالشرذمۃ النصیریۃ ینتمون الیہ ، و ھم قوم اباحیۃ ترکوا العبادات و الشرعیات و استحلوا المنھیات و المحرمات ، و من مقالتھم ان الیھود علی الحق و لسنا منھم و النصاریٰ علی الحق و لسنا منھم یعنے :

فرقہ نصیریہ جو محمد بن نصیر کی طرف منسوب ہے وہ قائل ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس زمانہ میں ظاہر ہوا اور علی اللہ تھے " ان لوگوں نے عبادت اور شریعت کو بالکل ترک کردیا اور تمام محرمات اور منہیات کو حلال کردیا ، ان کا قول ہے کہ "یہود و نصاریٰ سب حق پر ہیں مگر ہم وہ لوگ نہیں " ۔ اس فرقہ نے بھی ابن سبا کی تقلید کی ، کیوں کہ ابھی معلوم ہوا کہ جو لوگ آپ کی الوہیت کے قائل تھے جن کو آپ نے قتل کیا وہ رمضان میں علانیہ کھاتے پیتے تھے ۔

یہودیتِ ابن سبا اور اس کا ملعون ہونا :

ابن سبا ظاہر مسلمان تو ہوگیا تھا مگر اس کو مسلمان ہرگز نہیں کہہ سکتے ، یقیناً وہ یہودی اور منافق تھا ، کیونکہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ علی رضی اللہ عنہ خدا تھے ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علیؓ نے نبی بنا کر بھیجا تھا ! جس کے وہ اور اس کی کمیٹی کے لوگ قائل تھے ۔ بحار الانوار کے صفحہ ۳۴۵ میں بسندیہ روایت کیا ہے عن عبد اللّٰہ بن منان عن ابیہ عن ابی جعفر علیہ السلام ان عبد اللّٰہ بن سبا کان یدعی النبوۃ و یزعم ان امیر المؤمنین علیہ السلام ھو اللّٰہ ، تعالی عن ذلک یعنے " ابو جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا نبوت کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اللہ ہیں ، تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً " ۔ اور بحار الانوار کے صفحہ ۳۴۵ میں یہ روایت بھی ہے عن ابان بن عثمان قال سمعت ابا عبد اللّٰہ علیہ السلام یقول : لعن اللّٰہ عبد اللّٰہ بن سبا ادعی الربوبیۃ فی امیر المؤمنین یعنے " ابان بن عثمان کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ

حسین علیہ السلام سے میں نے سنا ہے جو فرماتے تھے کہ خدا عبد اللہ بن سبا پر لعنت کرے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کی ربوبیت کا قائل تھا"۔

الحاصل کتب شیعہ سے بھی ثابت ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس پر لعنت کی ہے، اور علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو جلانے کا حکم دیا تھا، کیوں کہ اگر تھوڑی محبت بھی اس کو ہوتی تو وہ قابل ولعنت نہ ہوتا بلکہ بمقتضائے احادیث محبِ اہل بیت مرحوم اور محبوب ہوتا۔ اب وآپ سمجھ سکتے ہیں کہ جو دشمن دوستی کے پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے وہ کسی قدر و فتنہ انگیز اور موقعہ پرست ہوتا ہے اور بدنامی کی کیسی کیسی تدابیر سونچتا ہے؟ اسی دشمنی کا یہ اثر تھا کہ اس قسم کے روایتیں تراشیں جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ الزام قائم کر دیا کہ خلیفۂ وقت نے زبردستی آپ کی صاحبزادی کو (نعوذ باللہ) چھین لیا اور غصب کیا اور آپ منہ دیکھتے رہ گئے۔ کیا کوئی مسلمان اس زمانہ میں یہ الزام اسد اللہ الغالب پر لگا سکتا تھا؟ معاذ اللہ حضرت علی تو کیا حضرت کے غلام از خود رفتہ ہو کر معلوم نہیں اس کا کیا انجام کرتے؟

اس سے ثابت ہے کہ اس قسم کی روایتیں آپؑ کی وفات کے بعد کی بنائی ہوئی ہیں، اس یہودی کو نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت سے کام تھا نہ عداوت سے، بلکہ اس کی اصل دشمنی یہودیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے ساتھ تھی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت کو شکار کی ٹٹی بنا کر مختلف طریقوں سے عداوت کا اظہار کیا۔ دیکھئے باوجودیکہ ابن سبا کا یہودی اور ملعون ہونا خود حضرات شیعہ کی تصریحات سے ثابت ہے مگر اس زمانہ کے بعض بھولے مسلمان اس کے دام میں آگئے، چنانچہ ناسخ التواریخ سے ابھی معلوم ہوا کہ

علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد اس نے اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنا شروع کیا اور لوگ اس کی پیروی کرنے لگے۔ خدا ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے کہ اچھوں کے لباس میں آکر مکر پھیلاتے ہیں، اور مسلمانوں کے دین و دنیا کو غارت کرتے ہیں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہر دستے نباید داد دست

منافقین سے ہوشیار!

نہج البلاغہ جلد دوم کے صفحہ ۱۸ میں علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لااخاف علی امتی مؤمناً ولا مشرکاً، اما المؤمن فیمنعہ اللّٰہ بایمانہ، واما المشرک فیمنعہ اللّٰہ بشرکہ، ولکنی اخاف علیکم کل منافق الجنان عالم اللسان یقول ما تعرفون و یفعل ما تنکرون یعنے علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: "مجھے اپنی امت پر کسی مومن اور مشرک سے خوف نہیں ہے، اس لئے کہ مؤمن کو اس کے ایمان کی وجہ سے خدائے تعالیٰ گمراہ ہونے سے بچالے گا اور مشرک کے فساد کو اس کی شرک کی وجہ سے اکھیڑ دے گا (کیوں کہ لوگ جب جان لیں گے کہ وہ مشرک ہے تو وہ اس کے دام میں نہ آئیں گے) لیکن اے مسلمانو! مجھے خوف ہے تو ایسے لوگوں سے ہے جن کے دل میں نفاق ہو یعنے منافق ہوں اور زبان سے ایسے علم کی باتیں کہیں جو تم جانتے ہو اور کام ایسے کریں جو تم جانتے نہیں"۔ خاص علی کرم اللہ وجہہ سے یہ ارشاد فرمانے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ابن سبا کی طرف اشارہ مقصود تھا،

کیونکہ اس کا یہی حال تھا کہ اہل بیت کی محبت ظاہر کرکے وہ کام کررہا تھا جو
مسلمانوں کو گمراہ اور دین کو تباہ کردے ، جس طرح بولس صاحب یہودی نے
تقدس ظاہر کرکے عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں تفرقہ ڈالا جس کا تھوڑا سا حال لکھا
جاتا ہے :

قصۂ بولس :

علامہ خیرالدین افندی آلوسی نے **الجواب الفسیح** میں اسلامی و
نصاریٰ کی تواریخ سے نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے بعد جب
عیسائیوں کی حقانی پر اثر تقریریں یہود کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں اور
یہودی جوق در جوق عیسوی دین قبول کرنے لگے تو پولس صاحب نے جو یہود کا
بادشاہ تھا کل عیسائیوں کو ملک شام سے خارج کردیا ، مگر جب دیکھا کہ اس سے
بھی کچھ فائدہ نہ ہوا اور عیسویت ویسی ہی ترقی پذیر ہے تو مجبور ہو کر اراکین سلطنت
سے کہا کہ یہ فتنہ روز افزوں ترقی کررہا ہے اور اس کے فرو ہونے کی کوئی تدبیر نہیں
بنتی ، اب میں نے ایک رائے سوچی ہے خواہ وہ اچھی ہو یا بری تم میری موافقت کرو
انہوں نے قبول کیا ، ان سے اس نے عہد و پیمان لے کر سلطنت سے علحدہ ہو
عیسائیوں کا لباس پہن ان میں چلا گیا ، عیسائیوں نے اس حالت میں اس کو دیکھتے ہی
خدا کا شکریہ ادا کیا اور بہت کچھ آؤ بھگت کی ، اس نے کہا کہ اکابر قوم کو جلد جمع کرو
میں کچھ ان سے کہنا چاہتا ہوں ! سب فوراً جمع ہوگئے ، اس وقت اس نے یہ تقریر کی
کہ " جب تم لوگوں کو میں نے شام سے نکال دیا تو مسیح نے مجھ پر لعنت کی اور
میری سماعت و بصارت اور عقل سب کچھ چھین لی جس سے میں اندھا و بہرا اور

دیوانہ ہوگیا ، چنانچہ میں متنبہ ہوا اور مجھے یقین ہوا کہ بیشک سچا دین وہی ہے
جس پر تم ہو ۔ اب میں بفضلہ تعالیٰ اپنے باطل دین اور دنیائے فانی کی سلطنت کو
چھوڑ کر تمہاری رفاقت اور فقر و فاقہ کو سعادت ابدی جانتا ہوں ، اور میں نے عہد
کرلیا ہے کہ بقیہ عمر تورات کی تعلیم اور اہل حق کی صحبت میں بسر کروں ، آپ
صاحبوں سے میری اسی قدر خواہش ہے کہ ایک چھوٹا سے گھر بنادو جس میں میں
عبادت کیا کروں ، اور اس میں بجائے بستر راکھ بچھادو ، میں نہیں چاہتا کہ عمر دو
روزہ میں کسی قسم کی آسائش حاصل کروں " ـ یہ کہہ کر تورات کی تلاوت اور اس
کی تعلیم میں مشغول ہوگیا

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اگر کسی بستی کا زمیندار ایسے حقانی پر جوش الہامی
کلمات کہے اور حالت موجودہ بھی کسی قدر اس کی تصدیق کرتی ہو تو طبیعتوں میں
ایک غیر معمولی جوش پیدا ہوجاتا ہے ، چہ جائیکہ بادشاہ وقت سلطنت ترک کرکے
زمرۂ فقرا۔ میں داخل ہوجائے اور سبب اس کا ایک زبردست الہام بیان کرے
جس نے تخت و تاج شاہی سے لباس فقر و بستر خاک پر قانع کردیا ، اور حالت موجودہ
بھی از سرتاپا اس کی تصدیق کررہی ہو تو پھر اس زمرۂ فقرا۔ میں کس کا دل ایسا ہوگا
کہ جان و مال اس پر فدا کرنے پر آمادہ نہ ہو ؟! غرض کہ عبادت خانہ فوراً تیار ہوگیا
اور اس میں پولس نے عزلت اختیار کی ، دوسرے روز جب سب معتقدین جمع
ہوئے تو دروازہ کھلا اور نہایت شان و شوکت سے برآمد ہوئے آنکھوں میں خمار ،
لب پر آہ سرد ، آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی ، حالت مستانہ ، اور نہایت پر جوش لہجہ میں تقریر
شروع کی ۔ اثنائے تقریر میں کہا کہ : ایک بات میرے خیال میں آتی ہے اگر
مناسب سمجھو تو قبول کرو ! سب ہمہ تن گوش ہوگئے ، کہا : جتنی جہاں کو روشن

کرنے والی چیزیں عالم غیب سے آتی ہیں وہ اللہ کے حکم سے آتی ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟ سب نے کہا جی ہاں یقیناً سچ ہے، کہا میں صبح و شام دیکھتا ہوں کہ آفتاب و ماہتاب وغیرہ نجوم و کواکب سب مشرق کی طرف سے نکلتے ہیں اس لئے میری رائے میں قبلہ بنانے کے لئے مشرق سے بہتر کوئی سمت نہیں، نماز اسی طرف پڑھنی چاہئے! سب نے بطیبِ خاطر آمنا و صدقنا کہہ کر بیت المقدس کو خیرباد کہہ دیا جو تمام انبیاء کا قبلہ تھا، جب نہایت آسانی سے یہ معرکہ طے ہوگیا تو پھر عبادت خانہ میں تشریف لے گئے اور دو روز تک خلوت ہی میں تشریف رکھی تاکہ عشاق دیدار کی آتش شوق خوب مشتعل ہو، سب معتقدین کو سخت تشویش ہوئی اور تیسرے روز جب ان کا ہجوم ہوا تو برآمد ہوکر نئی نئی افادات و تحقیقات شروع کیں، اثنائے تقریر میں بعد تمہید فرمایا کہ مجھے ایک اور بات سوجھی ہے! سب تحقیقِ جدید سننے کے تو پہلے ہی سے مشتاق تھے یہ مژدہ سن کر سنبھل بیٹھے اور ہمہ تن گوش ہوگئے، فرمایا: کیا یہ بات سچ ہے کہ جب کوئی معزز شخص کسی معمولی آدمی کے پاس ہدیہ بھیجے اور وہ قبول نہ کرے تو اس کی کسر شان ہوتی ہے؟ سب نے کہا بیشک نہایت درجہ کی کسر شان ہے! کہا: جتنی چیزیں زمین و آسمان میں ہیں خدائے تعالیٰ نے سب تمہارے ہی لئے بنائی ہیں ایسے ہدیہ کو رد کر دینا یعنے بعض اشیاء کو حرام سمجھنا کیسی گستاخی ہے عقیدتمندی یہی ہے کہ جتنے چھوٹے بڑے حیوانات ہیں سب کو شوق سے کھانا چاہئے، سب نے آمنا و صدقنا کہکر نہایت خوشی سے وہ بھی قبول کرلیا۔ جب اس میں بھی کامیابی ہوگئی تو ان مریدان راسخ الاعتقاد و حق پسند کی تحسین و آفریں کرکے رونق افروز خلوت سرائے خاص ہوئے اور تین دن تک وہیں رہے جس سے عقیدت مندوں کو سخت پریشانی اور ملاقات کا نہایت شوق ہوا، چوتھے روز دروازہ کھول

کر مشتاقان دیدار کو تسلی دی اور پھر پوچھا: کیا تم نے سنا ہے کہ کسی آدمی نے مادر زاد اندھے کو بینا اور ابرص کو چنگا اور مُردوں کو زندہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ممکن نہیں۔ کہا دیکھو مسیح یہ سب کام کرتے تھے اس لئے میں تو یہی کہوں گا کہ مسیح آدمی نہ تھا خود اللہ تعالیٰ تھا جو چند روز تم لوگوں میں ظاہر ہوکر چھپ گیا! یہ سنتے ہی خوش اعتقادوں کے نعرے آمنا و صدقنا کے ہر طرف سے بلند ہوئے اور سوائے معدودے چند کے سب نے بالاتفاق کہہ دیا کہ بیشک مسیح آدمی نہ تھا۔ غرض تین ہی معرکوں میں اس نے میدان مارلیا اور سب کو **خسر الدنیا و الآخرة** کا مصداق بناکر ایک نئی سلطنت اور نیا مذہب قائم کرلیا۔

یہ حیرت کا مقام ہے کہ ان سادہ لوحوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت آپ کو عیسائی ہونے کا دعویٰ ہے پھر یہ مخالف باتیں کیسی؟ آخر ہم بھی اپنے نبی کے کلام اور ان کے طریقہ سے واقف ہیں کبھی اس قسم کی بات ان سے نہیں سنی، اور اگر یہ الہامات ہیں تو جس نبی کے امتی ہونے کا دعویٰ ہے اس کے طریقہ کے مخالف الہام کیسے؟ بہرحال جدت پسند طبائع حسن ظن کرکے اس کے مکر و تزویر کے دام میں پھنس گئے۔ مگر ایک شخص کامل الایمان جس کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کو اِس زمانہ کی اصطلاح میں "لکیر کے فقیر" (یا بنیاد پرست) کہا کرتے ہیں اٹھ کھڑا ہوا اور سب کو مخاطب کرکے کہا؛ تم پر خدا کی مار! اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ کمبخت تمہارا دین بگاڑنے کو آیا ہے، ہم نے خود مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے کبھی ان سے اس قسم کی باتیں نہیں سنیں۔ مگر ایک شخص کا کہنا "نقارخانہ میں طوطی کی آواز" تھا کسی نے نہ سنا، آخر وہ بزرگ اپنے چند رفقاء کو لے کر علحدہ ہوگئے۔

مفسدِ دین ہر زمانہ میں :

کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ کوئی زمانہ ایسا نہ گزرا ہوگا جو ایسے لوگوں سے خالی ہو، اسی زمانہ کو دیکھ لیجئے کہ کیسے کیسے مذاہب لوگ ایجاد کرتے جاتے ہیں، اکثر سنا جاتا ہے کہ بعض متصوفہ اپنے خاص مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور خدا کے بندے نہ تھے بلکہ خود حق تعالیٰ حضرتؐ کی شکل میں آیا تھا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "عبدہ و رسولہ" کہنا کسر شان نبوی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ان حضرات نے بھی وہی کیا جو پولس صاحب نے کیا تھا۔ . . .

اور کہتے ہیں کہ بزرگان دین "ہمہ اوست" کے قائل ہیں اس لئے نماز و روزہ وغیرہ عبادات سب فضول ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ حضرات پولس صاحب سے بھی فائق نکلے! اس لئے کہ انھوں نے صرف قبلہ بدلا تھا یہاں تو سرے سے عبادت ہی ساقط ہے اس لئے قبلہ بدلنے کی ضرورت ہی نہ رہی!! یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ حضرت سارا عالم خدائے بیچوں ہے تو خدائے تعالیٰ کو تکلیف کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تشریف لانے اور قرآن اتارنے کی کیا ضرورت جو اوامر و نواہی اور وعدوں اور وعیدوں سے بھرا ہوا ہے؟! پھر اگر ماں بہن سے لوگ نکاح کریں اور مردار وغیرہ کھایا کریں تو کون پوچھنے والا ہے۔

اسی طرح ابن سبا نے جو باتفاق شیعہ و سنی : یہودی، بے دین، اور مخرب دین اسلام تھا، وہی کام کیا جو پولس صاحب نے کیا تھا۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ابن سبا چالاکی و مکاری میں بڑھا ہوا نظر آئے گا اس لئے کہ پولس صاحب سے باوجود سلطنت کے یہ نہ ہوسکا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کی الوہیت لوگوں کے

ذہن نشین کریں، اور ابن سبا نے علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی ہی میں یہ مسئلہ لوگوں کے ذہن نشین کر دیا جس کا اثر اب تک جاری اور ایک فرقہ اس کا قائل ہے۔

اس بحث کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ ناسخ التواریخ کی جلد سوم کے صفحہ ۶۱۶ میں جو لکھا ہے کہ "علی علیہ السلام نے جب معجزات دکھلائے اور غیب کی خبریں دینے لگے تو ایک جماعت آپ کی الوہیت کی قائل ہو گئی" .... وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ ناسخ التواریخ ہی سے ابھی معلوم ہوا کہ امیر المؤمنین علیہ السلام قتل خوارج کے بعد جب واپس تشریف لا رہے تھے اس وقت انہوں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ماہ رمضان میں کھانے پینے میں مشغول ہیں ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ مسلمان ہو یا اہل کتاب؟ پھر فرمایا کہ اگر اہل کتاب ہو تو جزیہ دیکر تکلیفات شرعیہ سے رہائی حاصل کر لو، یہ سن کر ابن سبا نے کہا کہ ہم اہل کتاب نہیں بلکہ آپ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اس پر آپ نے ان کے احراق کا حکم دیا۔ اب کہئے کہ ان کو معجزات دیکھنے کی نوبت ہی کب آئی؟ وہ تو نہ حضرتؑ کے لشکر میں تھے نہ کبھی آپؑ نے ان کو دیکھا تھا، آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں یا یہودی؟ اسی لئے ان کا دین دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔

غرضکہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ ابن سبا یہودی تھا اور یہود کی مخالفت مسلمانوں کے ساتھ اور ان کا سخت دشمن اسلام ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود و الذین أشرکوا یعنے یہود اور مشرک سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ وہ ابتداء سے اس تاک میں تھے کہ جس طرح نصاریٰ کے دین کو بگاڑا ہے مسلمانوں کے دین کو بھی بگاڑ دیں اور ان میں تفرقہ ڈالدیں، مگر صدیق

اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ان کو موقعہ نہ مل سکا، کیوں کہ ان دونوں خلافتوں میں ادنیٰ ادنیٰ امور پر سخت دار و گیر ہوا کرتی تھی، دیکھئے بعض قبائل عرب نے صرف یہ کہا تھا کہ ہم زکاۃ بارگاہ خلافت میں نہ بھیج کر اپنے طور پر ادا کردیں گے اس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صاف حکم دے دیا کہ ان سے جہاد کیا جائے، حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ جیسے سخت گیر شخص نے کہا کہ اوائل خلافت کا زمانہ ہے تالیف قلوب سے کام لیجئے ایسے خفیف امور پر اتنی سختی مناسب نہیں! مگر صدیقؓ نے نہ مانا یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے مہاجرین و انصار کو لے کر جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ کی بیدار مغزی اور حفظ ما تقدم اور فتنوں کا انسداد تو اظہر من الشمس ہے۔

عثمانؓ کے زمانہ میں دولت مندی :

غرضکہ خلافت اولیٰ اور ثانیہ کے حالات تواریخ میں دیکھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ امور پر خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی تھی جس سے کسی کو بھی فتنہ انگیزی کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا، اس لئے یہود کی دلی عداوت کا کوئی اثر اس وقت ظاہر نہ ہوسکا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حکومتِ اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے اور مسلمانوں میں تمول بڑھ گیا، کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے غنی تھے اپنی خلافت میں آپ نے سب مسلمانوں کو غنی بنادیا، چنانچہ مروج الذہب میں آپ کی خلافت کے حال میں لکھا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کا ترکہ صرف نقد پچاس ہزار دینار (اشرفی) تھا اس کے سوا ہزار گھوڑے، ہزار غلام، ہزار لونڈیاں تھیں، اس کے سوا زینات و مکانات اور املاک کثرت سے تھے، ایک گھر

آپ نے بصرہ میں ایسا وسیع بنایا تھا کہ جتنے تجار وغیرہ اطراف و جوانب سے آتے اسی میں اترتے تھے۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک گھر جو کوفہ میں تھا اس کے کرایہ کی آمدنی روزانہ ہزار اشرفی تھی، اس کے سوا اور بہت سی عمارتیں اور املاک تھے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ کے یہاں سو گھوڑے اور ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں اور ان کے ترکہ کا ربع ثمن یعنے بتیسویں حصہ کا جو حساب کیا گیا تو چوراسی ہزار درہم ہوئے۔ زید بن ثابتؓ نے اتنا سونا اور چاندی ترکہ میں چھوڑا کہ کلہاڑیوں سے توڑا جاتا تھا، اور زینات وغیرہ املاک کی قیمت لاکھ اشرفی تھی۔ یعلیٰ ابن امیہ کا ترکہ نقد پانچ لاکھ اشرفی تھا سوائے قرضوں کے جو لوگوں کے ذمہ تھے، اور زینات وغیرہ املاک کی قیمت ایک لاکھ اشرفی تھی۔

لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بخشش سے نزدیک اور دور والے برابر مستفید ہوا کرتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمول آدمی کو تعیش اور دنیوی کاموں میں لگادیتا ہے، اس لئے اس وقت حکومت میں کسی قدر ضعف آگیا، چنانچہ ناسخ التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سامنے لوگوں کے خیالات ظاہر کئے کہ آپ نے اپنے قرابتداروں کو بہت آسودہ کردیا! تو انہوں نے جواب میں کہا کہ: معاویہ گو میرے قرابتدار ہیں مگر ان کو میں نے مقرر نہیں کیا بلکہ عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مقرر کیا تھا! علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نہیں جانتے کہ معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے اتنا ڈرتے تھے کہ ان کا غلام یرفأ بھی ان سے اتنا نہیں ڈرتا تھا۔

غرضکہ وہ دار و گیر اسلامی کاموں میں جو پہلے تھی اس وقت نہ رہی۔ اور یہود کو اب موقعہ مل گیا اور اس کام کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جس کا میر مجلس عبداللہ

بن سبا تھا، کیونکہ اتنا بڑا کام جس کا برا اثر لاکھوں پر پڑے ممکن نہیں کہ ایک آدمی کے کہنے سے سر انجام پا سکے۔

مورخین شیعہ و سنی کا اس پر اتفاق ہے کہ عبداللہ بن سبا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ منافقانہ اسلام ظاہر کر کے فتنہ انگیزی اور دین میں رخنہ اندازی شروع کی، اور ایک جماعت یہود کو اپنے جیسے مسلمان بنا کر دسیسہ کاری اور رخنہ اندازی کی بنیاد ڈالی۔ پہلے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں دورہ لگا کر وہاں کے حالات سے واقف ہوا اور جہاں جہاں جیسا موقعہ ملا حسب مناسب تعلیم کی، مثلاً کہیں یہ بات بنائی کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام پھر سے دنیا میں آئیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آئیں گے، یہ تمہید اس بات کی تھی کہ شدہ شدہ عیسی علیہ السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کا بیٹا وغیرہ قرار دے، اور ابتداء ایک ایسے مسئلہ سے کی جو ہمارے دین میں بھی مسلّم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پھر نزول کریں گے۔ اور کہیں یہ بات بنائی کہ علی رضی اللہ عنہ مرے نہیں جیسا کہ ناسخ التواریخ کی جلد سوم کے صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ : "عبداللہ بن سبا کے پاس ایک بڑی جماعت ہو گئی تھی، ان کا عقیدہ تھا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرے نہیں بلکہ سیر افلاک میں مشغول ہیں، چنانچہ رعد و برق انہیں کی آواز ہے، جب ابر گرجتا ہے تو یہ لوگ سلام علیک یا امیر المؤمنین! کہتے ہیں"۔ ابتداء میں اس کو یہ خیال ضرور ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خلاف واقعہ اعتقادات مسلمانوں میں پیدا کر دیے جائیں، مگر کسی مصلحت سے ان پر زور نہ دیا اور اہل بیت کرام کی محبت کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا کیونکہ اس وقت تک عموماً اہل اسلام اس کو ضروری سمجھتے

تھے، رہا فرقہ خوارج جو اسے ضروری نہیں سمجھتے سو ان کا وجود علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت میں ہوا۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس حصہ کو ختم کر دیں۔ اگر حق تعالیٰ شانہ نے چاہا تو آیندہ حصۂ ششم میں ابن سبا کے متعلق مفصل حالات اور اس کی دسیسہ کاریاں اور فتنہ پردازیاں وغیرہ بیان کریں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب - وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین - وصلی اللہ تعالی وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

اعلان

اہل اسلام کو:۔ بشارت دی جاتی ہے کہ مجلس اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ نے تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، فلسفۂ اسلام، تاریخ و سیرت، اخلاق و فضائل، معجزات و کرامات، اِستعانت، ردِّوہابیت، ردِّقادیانیت، زیارتِ قبور، علمِ غیب، طبقات اولیاء، میلاد مُبارک رؤیتِ الٰہی، وحی، عشق و محبّت، سماع موتیٰ، ندِاء، جوازِ قیام، وسیلہ، معراج مُبارک وغیرہ جیسے اہم مسائل پر مولانا حافظ محمد انوار اللہ فضیلَت جنگ علیہ الرحمہ بانی جامعہ نظامیہ و دیگر علماء اعلام کی مدلل عمدہ تصانیف شائع کی ہیں، جن کا مطالعہ ایمان میں تازگی، روح میں بالیدگی پیدا کرتا ہے، لہٰذا ان کتابوں کا ہر مسلمان کے پاس رہنا ضروری ہے، چند موجودہ کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

مقاصد الاسلام اول تا یازدہم۔ افادۃ الافہام حصّہ اوّل۔ مختارات الاداب زیدان بدران (عربی) حقیقۃ الفقہ حصّہ اول و دوم۔ الکلام المرفوع۔ شمیم الانوار۔ خدا کی قدرت۔ مسئلۃ الرّبوا۔ انوار التمجید۔ نثر المرجان فی رسم القرآن اول تا ہفتم، روح الایمان، الوسیلۃ العظمیٰ، العروۃ الوثقیٰ، ہدایۃ الترتیل اول دوم، فتاویٰ نظامیہ اول تا سوم۔ مرجع غیب۔ ثبوت ذکر جہر۔ شعائر اللہ فی فضائل شعر رسول اللہ، مکارم الحفظہ، انوار احمدی سلام الاسلام معجم المصنفین اول تا چہارم۔ القول الاظہر۔ الحجۃ البازغۃ، حمایت الصلوٰۃ اول دوم۔

اطلاع:۔ مجلس اشاعۃ العلوم کے کام صاحبانِ خیر کے عطایا اور ارکان کی اِمداد پر چل رہے ہیں۔ علمِ دوست اصحاب سے خواہش کی جاتی ہے کہ کم از کم ایک سو روپیے کی رُکنیت قبول فرمائیں۔ ادائی یکمشت یا بِالاقساط بھی ہوسکتی ہے، اراکین کو مجلس اشاعۃ العلوم کی مطبوعات اصلی لاگت پر، اور سابقہ مطبوعات ۳۳ فیصد رعایت کے ساتھ دی جائیں گی۔

اشاعۃ العلوم کی تمام مطبوعات صبح ۱۰ تا ۴ ساعت دن دفتر اشاعۃ العلوم جامعہ نظامیہ حیدرآباد سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

المعلن
مُحمّد خواجہ شریف شیخ الادب
جامعہ نظامیہ و معتمد مجلس اشاعۃ العلوم، رجسٹرڈ ۱۰۵۹